اعظم الامراء

ارسطوجاہ

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۴۴

ارسطو جاہ

یعنی

غلام سید خان سہراب جنگ معین الدولہ مشیر الملک اعظم الامرا
ارسطو جاہ کے حالات زندگی

از

عبد المجید صدیقی
ایم اے۔ ایل ایل بی۔ استاد تاریخ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۹۳۹ء

ادارۂ ادبیات اردو

رفعت منزل۔ خیریت آباد۔ حیدر آباد دکن

قیمت
۶/

اس سلسلہ کی دوسری کتابیں

نظام الملک آصفجاہ اول	سر سید احمد خاں
سر سالار جنگ اعظم	عماد الملک

دادا بھائی نوروزجی

ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر

رفعت منزل ۔ خیریت آباد ۔ حیدرآباد

مطبوعہ

مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس

فہرست

دیباچہ

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

دیباچہ

عمدۃ [illegible] ارسطو جاہ ہندوستان کے ان [illegible] میں سے ہیں جنھوں نے [illegible] کے بنانے میں حصہ لیا ہے۔ [illegible] تحریروں کے [illegible] ان [illegible] تدبر و حکمت [illegible] سے [illegible] [illegible] کی ذمہ داری بھی ایک حد تک ان کے سر ہے۔ [illegible] تو ان کے تذکرے کے بغیر لکھی ہی نہیں جا سکتی اور حیدرآباد کی سلطنت [illegible] و تشکیل بھی انھوں نے جو [illegible] خدمات انجام دی ہیں ان کا [illegible] اندازہ ان عظیم الشان خطابات ہی سے ہو سکتا ہے جو ان کے نام کا جزو لاینفک بن گئے ہیں۔

حیدرآباد کی تاریخ میں مختار الملک [illegible] جنگ اعظم کے علاوہ کوئی شخصیت ایسی نہیں ملتی جس میں ارسطو جاہ جیسی فراست، بلند حوصلگی، اور [illegible] پائی جاتی ہو۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ ہر ایک [illegible] پہنچتے تھے۔ یہاں تک کہ [illegible] سخت سے سخت

لہ

دشمن بھی جب اُن سے ملتے تو ان ہی کا سبق پڑھنے لگتے۔ نواب نظام علیخاں آصفجاہ ثانی تو ان کو اتنا چاہتے تھے کہ جب ان کے فرزند سیف الدولہ کا انتقال ہوا تو اپنے فرزند رئیس الملک سلیمان جاہ کو اور بعد کو جب ارسطو جاہ کی پوتی دانی بیگم کے لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا تو دوسرے صاحبزادے سیف الملک کیوان جاہ کو ابھی انہی کی فرزندی میں دیدیا۔

ارسطو جاہ بڑے معاملہ فہم، مدبر مردم شناس آدمی تھے۔ اور چونکہ چھوٹے درجہ سے سلطنت کے عظیم ترین رتبہ کو پہنچے تھے اس لئے شریفوں کی اور باکمالوں کی امداد اور اعانت کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ ان کی داد و دہش اور شعرا پروری کا شہرہ دور دور پہنچ چکا تھا۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے لوگ ان کے یہاں چلے آتے تھے۔ خود ان کا دربار بادشاہوں کے دربار سے کم بارونق نہ تھا۔ ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کو بذلہ سنجی، علم و فضل اور شعر و سخن کا بھی بڑا اچھا ذوق تھا۔ اور در اصل یہی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ صرف اسی کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ان کے دربار میں حیدرآباد اور ہندوستان کے بیسیوں بلند پایہ شعرا مثل احسن اللہ خاں بیان، مرزا لطف علی، شیر محمد خاں ایمان اور شاہ تجلی علی تجلی وغیرہ جمع تھے جنھوں نے اپنے

قصیدوں میں ان کی زندگی کے متعلق ایسا تفصیلی مواد محفوظ کر دیا ہے کہ بڑی سے بڑی تاریخوں میں اتنی مکمل اور مفید معلومات قلمبند نہ ہو سکتی تھیں۔

شاعروں ادیبوں اور مصوروں کے فیاض قدرداں ہونے کے علاوہ ارسطو جاہ خود بھی شاعر اور صاحب علم و فضل امیر تھے۔ چنانچہ جب ان کو ایلگندل میں جاگیر ذات مرحمت ہوئی تو انھوں نے فی البدیہہ ایک قطعہ تاریخ نکالا تھا کہ:۔

وان شکرتم لازیدنکم (۱۹۰ ۱۲ھ)

علمی و ادبی ذوق کے علاوہ ارسطو جاہ کو تعمیر کا بھی شوق تھا چنانچہ سرورنگر کے سنگ بستہ حصار اور برجوں کو ۱۲۱۳ھ میں انھی نے بنایا تھا۔ یہ اصل میں ایک گاؤں تھا جو ارسطو جاہ کی منکوحہ سروافزا بیگم کو آصفجاہ ثانی نے بطور جاگیر عنایت کیا تھا۔ اسی طرح حسین ساگر کے قریب اس وقت جو محلہ مشیرآباد واقع ہے وہ بھی دراصل انھی کا ۱۲۰۳ھ میں بسایا ہوا ایک گاؤں تھا جو اب تک ان کے خطاب مشیر الملک کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

غرض ایک ایسی عظیم الشان شخصیت کے سوانح حیات مرتب کرنا ملک اور تاریخ کی ایک مفید خدمت ہے جس کو پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی نے نہایت خوبی سے انجام دیا ہے۔ انھوں نے یہ کام اگرچہ آج سے چھ

سال پیشتر شروع کیا تھا چنانچہ ان کا ایک بسیط مضمون رہبر کے
سالنامہ بابت ۱۹۳۳ء میں شائع ہو چکا ہے لیکن ادارۂ ادبیات اردو
کی خواہش پر انھوں نے اب اس میں اضافہ کر کے اس کو ایک کتاب کی
شکل دیدی ہے۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ صدیقی صاحب کی
مشہور تاریخ گولکنڈہ کے بعد ہی حیات ارسطو جاہ شائع ہو رہی ہے
اور [illegible] قطب شاہی [illegible] مجھے [illegible] کی مناسبت
[illegible] ریاضی [illegible]
[illegible]
[illegible] ارسطو جاہ [illegible] زندگی [illegible]
[illegible] نظر آجاتی ہے۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء

سید محی الدین قادری زور

تمہید

دکن کی تاریخ جس قدر اپنے تاریخی واقعات سے مالامال ہے اسی طرح اپنے فرزندوں کی وجہ سے جو دنیائے علم و سیاست کے تارے تھے فخر کرتی [illegible] - جس زمانے سے دکن کی تاریخ روشنی میں آتی ہے یہاں ہم کو لائق شخصیتوں کا ایک سلسلہ ملتا ہے جن کا تاریخ دکن بننے میں [illegible] ہے - سلاطین کے علاوہ [illegible] اور صوفیا کا ایسا تانتا بندھا ہوا ہے کہ [illegible] ان کو فراموش [illegible] جائے تو [illegible] تاریخ کا تسلسل ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور دوسری طرف [illegible] ہماری [illegible] سے اوجھل ہو جائیں گے - [illegible] تو یہ ہے کہ تاریخ [illegible] سلاطین کے علاوہ وزرا کی عظیم الشان شخصیتیں ہیں - [illegible] اب تک ان کے نام تاریخ میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح وہ [illegible] زمانے میں تھے - انہی جلیل القدر ہستیوں میں ایک اعظم الامرا [illegible] ارسطو جاہ کا نام [illegible] فراموش ہے۔ یہ [illegible] آصفیہ کے وزیر باتدبیر [illegible] ان کی قابلیت [illegible] نے ان کو ہمیشہ تاریخ [illegible] نمایاں رکھا - انھوں نے [illegible]

جبکہ حیدرآباد کی سلطنت چاروں طرف سے مختلف دشمنوں کی دست درازیوں کا نشانہ بنی ہوئی تھی اور اس کو قدم قدم پر اپنے بقائے دوام کے لیے کوشش کرنی پڑتی تھی۔ ایک حملہ سے فراغت ہوتی تھی تو دوسرا مقابلہ سر پر آتا تھا۔ حضرت غفران مآب نواب نظام علی خاں کا عہد اسی کشمکش کی داستان ہے۔ سیاست کے اس خطرناک بھنور میں سے حیدرآباد کی کشتی کا صحیح سالم نکل جانا والیانِ ملک اور ان کے وزراء کے ایثار اور ان کی قربانیوں کا پھل سمجھنا چاہیئے۔ ارسطوجاہ نے جس سیاسی قابلیت سے حیدرآباد کی مدد کی ہے وہ تاریخ کے لیے یادگار رہے۔

نام و نسب

ان کا اصل نام غلام سیّد ہے جس سے ان کی تاریخ پیدائش ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے تفصیلی خاندانی حالات تو اچھی طرح واضح نہیں ہوتے۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ ان کا خاندان ایرانی تھا اور ان کے بزرگ ایران کے ساسانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے باپ فرخ نژاد خاں حضرت مغفرت مآب آصفجاہ اول کے ملازم تھے اور غالباً یہ آصف جاہ کے ساتھ حیدرآباد آئے تھے۔ یہاں دکن میں حضرت مغفرت مآب نے فرخ نژاد خاں کو برار کا صوبہ دار بنایا تھا اور غالباً ان کا یہیں انتقال ہوا۔ غلام سید خاں حضرت غفران مآب نواب نظام علی خاں کے سلکِ ملازمت میں تھے۔ اکثر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ حضرت غفران مآب کے ہمراہ رکاب رہتے تھے چنانچہ حیدر جنگ کے قتل کے واقعہ میں یہ غفران مآب کے شریک حال تھے اس کے بعد یہ محالات برار کے دیوان اور صوبہ اورنگ آباد کے صوبہ دار بنائے گئے معین الدولہ بہرام جنگ ان کو خطاب ملا تھا۔ چونکہ ان میں سیاسی اور انتظامی جوہر بہت موجود تھے اس لیے اس زمانے میں بھی جبکہ وہ شمالی صوبوں کی صوبہ داری

کرنے تھے۔ ان کو آہستہ سفارتی کام دیا گیا جس کے لیے یہ بہت موزوں ثابت ہوئے۔ چنانچہ اس زمانے میں یہ راجہ پنڈت پردھان کے تصفیہ کے لیے پونا بھیجے گئے تھے اور اس کے بعد رگھوجی بھونسلے کے فیصلے کے لیے ناگپور روانہ کیے گئے تھے۔ انھوں نے اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور نمایاں کام کیے۔ چونکہ ان میں بلند پایہ کام کرنے کی صلاحیت تھی اور مرکزی نظم و نسق کی طرف ان کا رجحان تھا اس لیے انھوں نے ریاست حیدرآباد میں تبادلہ کی کوشش کی تاکہ مرکزی حکومت میں حصہ ملے۔ جب حیدرآباد کے بڑے وزیر رکن الدولہ میر خاں کا ۱۷۷۵ء میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ چند روز تک بہادر الدولہ نے کام کیا لیکن اس دوران میں ظفر الدولہ کی ترقی شروع ہوئی اور یہ بہت جلد سلطنت حیدرآباد کے مدارالمہام بنائے گئے۔ ظفرالدولہ مبارزالملک کا سلطنت حیدرآباد کا مدارالمہام بن جانا غلام سید خاں کے لیے کچھ مفید نہیں ہوا۔ ظفرالدولہ اور غلام سید خاں کے تعلقات کچھ عرصے سے کشیدہ تھے اور اس کی وجہ سے ان کو حیدرآباد کی مرکزی حکومت میں رسوخ پیدا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان کو صرف وقار الدولہ سے کچھ ہمدردی کی توقع تھی۔ وقار الدولہ نے سب سے پہلے حضرت غفران مآب سے ان کے متعلق سفارش کی تھی۔ کہ غلام سید خاں مرکزی حکومت میں کام کرنے کے قابل ہیں۔ مرکزی حکومت کا کوئی کام ان کے سپرد کیا جائے۔ حضرت غفران مآب خود غلام سید خاں سے

بخوبی واقف تھے۔ بعض ہمدردوں کی سفارش سے جن میں وقار الدولہ بھی شامل ہیں غفران مآب نے غلام سید خاں کو مرکزی حکومت میں لینا پسند فرمایا اور ان کو حیدرآباد بلا کر پیشکاری کی خدمت سپرد کی۔ اس طریقے سے یہ سلطنت کے کاروبار میں دخیل ہوگئے تھے لیکن مبارز الملک کو یہ چیز ناگوار گزری اور یہ سخت ناراض ہوگئے چنانچہ اس ناراضی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مبارز الملک سرکار سے اجازت لے کر نرمل چلے گئے اور وہاں جاکر یہ عرض کی کہ جب تک عین الدولہ سہراب جنگ حیدرآباد میں رہیں گے میں دار المہامی کی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ اگر مجھ سے خدمت لینی منظور ہو تو سہراب جنگ کو اوسہ بھیج دیا جائے۔ اس درخواست پر بندگانِ عالی نے مبارز الملک کے پاسِ خاطر سے غلام سید خاں کو اوسہ بھیج دیا اور مبارز الملک حیدرآباد آگئے۔

مدار المہامی

اگرچہ سرکار کے حکم سے غلام سید خاں کو مجبوراً اوسہ جانا پڑا لیکن
ان کی وسیع قابلیت ان کو بہت دنوں تک اوسہ میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ اگرچہ
وہ اوسہ کے گرد و پیش سے جہاں وہ اور ان کے باپ نے برسوں تک کام
کیا تھا بہت مانوس تھے لیکن قلعۂ اوسہ میں بند رکھنا ان کی وسیع قابلیت کا
گلا گھونٹنا تھا۔ یہاں وہ کبھی نچنت نہیں بیٹھ سکے۔ وقار الدولہ کی زندگی تک ان سے
کام نکالنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اپنے تبادلے کے متعلق ان کو بہت سے خط
لکھے تھے لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا کہ وقار الدولہ کا انتقال
ہوگیا اور یہ چند دنوں کے لیے مجبور ہو گئے۔ اب غلام سید خاں کے پاس سوائے
اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ خود مبارز الملک سے مل کر اپنے تعلقات صاف
کریں اور اپنی ترقی کی کوشش کریں۔ چنانچہ یہ غلام سید خاں کی قابلیت کی دلیل
ہے کہ اپنے خاص ہتھکنڈوں سے دشمن کو دوست بنانے میں کامیاب ہو گئے
جن کو اس زمانے کے مورخ ان کی دنیاداری اور سیاسی داؤ پیچ کی طرف منسوب
کرتے ہیں۔ پہلے مبارز الملک کو انھوں نے ایک مخلصانہ خط لکھا اور موافقت کا

اظہار کیا اور سرکار سے اجازت لے کر خود نرمل گئے اور یہاں مبارز الملک سے ملاقات کی۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اچھے خوش تقریر آدمی تھے اور مخاطب کی نفسی کیفیت پر بہت قابو تھا۔ چنانچہ اپنی خوش کلامی سے مبارز الملک کو اس قدر گرویدہ بنالیا کہ مبارز الملک نے دیرینہ مخالفت نہ صرف اپنے دل سے بھلا دی بلکہ سرکار سے ان کی پرزور سفارش کی اور سفارش بھی ان الفاظ میں کی کہ غلام سید خاں کے بغیر میں کام نہیں کر سکتا بلکہ مجھے دلجمعی نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ سفارش موثر تو ثابت ہوئی لیکن حضرت آصف جاہ ثانی کو شمس الدولہ کی خدمات کا خیال کر کے اس سفارش کو عملی جامہ پہنانے میں تامل ہوا کیونکہ شمس الدولہ ان سے پرانے آدمی تھے اور ان کی خدمات مسلمہ تھیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ شمس الدولہ کو فوجی انتظام سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اور سلطنت کے دوسرے امور میں وہ بہت کم حصہ لیتے تھے اس لیے بندگان عالی نے غلام سید خاں کو حیدرآباد آنے کی اجازت دی۔ چونکہ اس وقت امور سلطنت کے مشورہ کے لیے ایک لایق آدمی کی ضرورت تھی اس لیے ان کو فوراً حیدرآباد بلا یا گیا حیدرآباد آنے کے بعد بھی شمس الدولہ کی طرف سے ایک رکاوٹ باقی تھی اور غلام سید خاں ان کی طرف سے متوش تھے کہ وہ موقع نہیں دینگے لہذا ان کو راضی کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شمس الدولہ کو راضی کرنا دوسرا مرحلہ تھا۔ چونکہ

غلام سید خاں میں اس کی بڑی قابلیت تھی اپنے خاص طریقہ عمل اور انداز بیان سے شمس الدولہ کو اپنا موافق بنا لیا۔ ان بڑے مخالفوں کو راستہ سے نکال لینے کے بعد غلام سید خاں کو سلطنت کی علیٰ خدمت پر پہنچنا آسان تھا۔ اگرچہ ان کے سیاسی ہتھکنڈوں کا ذکر کرکے جو اُن کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں ان کے اخلاق پر نکتہ چینی کی جاتی ہے لیکن اس نکتہ چینی اور ملامت کے باوجود ان کی سیاسی اور انتظامی قابلیت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ ان کے سیاسی ہتھکنڈے بھی جو ظفر الدولہ مبارز الملک اور شمس الدولہ کے مقابلے میں استعمال کیے گئے تعریف کے قابل ہیں جو ان کی سیاسی قابلیت کی دلیل ہے لیکن اس کے ساتھ حضرت غفران مآب کی نظروں میں ان کی قدر و منزلت ان کی انتظامی قابلیت کی بنا پر پیدا ہوئی تھی جس زمانے میں وہ نرمل سے حیدرآباد آئے تھے تو ایک طرف ان کو شمس الدولہ کو رام کرنا پڑا۔ اور دوسری طرف اپنی انتظامی قابلیت کا اظہار کرکے سرکار کو اپنی طرف مائل کرنا تھا۔ کفایت شعاری سے جس کی اس وقت ملک کو ضرورت تھی سرکاری آمدنی میں اضافہ کیا۔ عاملوں پر زر مقررہ بڑھا دیا اور تاجروں پر محاصل زیادہ کیے اور حکومت کو انھوں نے اضافہ آمدنی کے مختلف ذرائع بتائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حضرت بندگان عالی کو ان پر رفتہ رفتہ اعتماد ہونے لگا۔ اور شیر الملک خطاب دے کے ان کو انتظامی کام سپرد کیا گیا۔ پہلے یہ مددگار دیوان بنائے گئے تاکہ دیوان کے ساتھ

کام کر کے مزید تجربہ حاصل کریں۔ اگرچہ یہ عرصہ تک مددگار رہے لیکن ان کی ہمہ گیر قابلیت تمام امور ریاست پر مسلط ہوگئی اور مددگار کی حیثیت میں اس قدر چھا گئے تھے کہ تمام مالی و ملکی امور میں دخیل ہوگئے تھے اور بغیر عطا خلعت کے مدار المہامی کا کام کرتے تھے۔ لیکن جب ظفر الدولہ مبارز الملک کا انتقال ہوگیا تو ابوالفتح خاں شمس الملک کے مشورہ سے ۱۱۹۸ھ میں ان کو مدار المہامی کی خدمت عطا ہو کر بحالی و برطرفی کے جملہ اختیارات عطا کر دئے گئے۔ اسی وقت ان کو اعظم الامراء کا خطاب، پانچ ہزاری ذات، پانچ ہزاری سوار عطا ہوئے جو ان کے پیشرو خواجہ یاسین خان معین الدولہ سہراب جنگ مشیر الملک کے علاوہ تھے۔ جب ۱۱۸۷ھ میں آصف جاہ ثانی نرمل سے واپس ہوئے تو اعظم الامراء کا تقرب اور بڑھا دیا یہ سفر جٹبنیال کے قلعہ دار کی بغاوت کے سلسلے میں ہوا تھا۔ جب قلعہ مذکور کے غاصب ظفر الملک حبشی کو مغلوب کر کے حیدرآباد میں مراجعت ہوئی تو ۱۱۸۸ھ میں اعظم الامراء کو مزید تقرب حاصل ہوا اور اختیارات میں اضافہ ہوا۔ دفتر پیشکاری اور دیوانی جو راجہ دیانت ونت اور راجہ امانت ونت سے متعلق تھے وہ بھی ان راجگان کے توسط سے مشیر الملک سے متعلق کر دیے گئے تھے۔

دکن کا سیاسی انتشار

ارسطوجاہ نے حیدرآباد کی عنانِ وزارت ایسے وقت ہاتھ میں لی تھی جبکہ تمام دکن کے سیاسی تار و پود جگہ جگہ سے بکھرے تھے۔ اٹھارہویں صدی ہندوستان کا ایک بہت ہی تاریک دور ہے۔ جس طرح شمالی ہند اس دور میں سیاسی کشمکش کا ایک دنگل بنا ہوا تھا، دکن بھی گو[illegible]ں سیاسی الجھنوں کا شکار تھا۔ حضرت مغفرت مآب کے انتقال اور ناصر جنگ شہید کی بے وقت موت سے حیدرآباد کی نوخیز سلطنت کو جس قدر نقصان پہنچا ہے اس کی پھر تلافی نہ ہوسکی۔ چونکہ حیدرآباد سلطنت دکن کے وسط میں واقع ہے۔ جغرافی اعتبار سے اس کا موقع محل بہت خطرناک واقع ہوا تھا۔ ہر سلطنت کے دشمنوں کو اس پر چاروں طرف سے حملہ کرنے کا موقع ملتا تھا اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ اس زمانے میں یہ سلطنت چاروں طرف سے سخت دشمنوں [illegible] ہوئی تھی اور شرق میں مغربی اقوام تو اس سلطنت کو صاف ہضم کرنا چاہتی تھیں مرہٹوں کی شمالی طاقت جو آئے دن حیدرآباد پر امنڈ آتی تھی اس سے حیدرآباد کا عہدہ برآ ہونا نہایت مشکل تھا۔ حضرت مغفرت مآب نے مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں جس تدبر سے حیدرآباد کو بچائے رکھا

وہ تاریخ کے لیے یادگار ہے' لیکن ان کے انتقال کے بعد ناصر جنگ کا جو اپنے باپ کے صحیح جانشین تھے بے وقت مرجانا ان حالات کے لیے بہت مضر ثابت ہوا اور حیدر آباد کے دشمنوں کو پیش قدمی کرنے کا موقع ملا۔ اس پر طرہ یہ کہ صلابت جنگ جیسے آدمی ان حالات [illegible] سیاست بنائے گئے تھے جو کسی طرح اہل نہیں تھے۔ ان کی سیاسی [illegible] حیدر آباد کی فضا کے لیے بہت مضر ثابت ہوئی صلابت جنگ فطرتاً کمزور تھے [illegible] نسبی نے ان کی بادشاہی کا اعلان کیا تھا اس لیے یہ اپنے کو فرانسیسیوں [illegible] سمجھتے تھے اور ان کے زیر اثر تھے [illegible] کی وجہ سے بادشاہ [illegible] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ فرانسیسی سلطنت میں برابر کے شریک ہوگئے [illegible] کے لیے شمالی سرکار جیسے حیدر آباد کے زرخیز اضلاع ہضم کر [illegible] نتیجہ یہ ہے کہ صلابت جنگ کا تیرہ سالہ عہد حکومت تاریخ دکن کا بہت ہی تاریک دور ہے اگر اس وقت نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کا وقتاً فوقتاً مشورہ اور تائید شامل نہ ہوتی تو خدا نخواستہ حیدر آباد کو برے دن دیکھنے پڑتے۔ آصفجاہ ثانی حضرت غفران مآب کی ان انتھک کوششوں سے ایک طرف مرہٹوں کے حملوں سے خاطر خواہ مدافعت ہوسکی اور دوسری طرف فرانسیسیوں کی طاقت ٹوٹ گئی۔

صلابت جنگ کے کمزور عہد میں سلطنت حیدر آباد کو جو نقصان پہنچے ہیں اس کا

آئندہ حکومت کو عرصہ دراز تک خمیازہ بھگتنا پڑا۔ حکومت کو قدم قدم پر مالی خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا تھا اور اندرونی نظم و نسق کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ دوسری طرف بیرونی قوموں کا تسلط بڑھتا جا رہا تھا جو دلیر ہو کر حملہ کر رہی تھیں اور ہر وقت دھاوا بولتے تھے

جنوب کی سلطنت میسور حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے عہد میں اس قدر طاقتور ہو چکی تھی کہ ہندوستان کی ہستی ... تھی بلکہ خود کمپنی کو اس سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا جنہوں نے اس کے مقابلے میں اپنا تمام زور لگا دیا تھا اور جب تک وہ انگریز اس سے ہی مقابلے کرنے میں مصروف رہے انگریزوں کی دکن کی سیاست میں دور کی دخیل ہو چکی تھی تو ٹیپو کے بعد جب مرہٹے مغلوب ہو گئے تو انگریزوں نے ان کی جگہ لی اور اپنا تسلط بڑھایا۔ ان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے دکن کی سیاست متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی لیکن حیدرآباد جس طاقت سے زیادہ ڈرتا تھا اور جس سے اس سلطنت کو بار بار نقصان اٹھانا پڑا ہے وہ شمال کی مرہٹہ سلطنت تھی ۱۷۲۰ء سے ۱۷۶۱ء تک باجی راؤ اور بالاجی راؤ کے عہد میں جو سلطنت مرہٹہ کے معمار تھے مرہٹوں نے ہندوستان میں جو ناقابل تسخیر طاقت قائم کر لی تھی اس کا تمام ملک میں جواب نہیں تھا۔ کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اگرچہ ۱۷۶۱ء کی جنگ پانی پت نے اس کی طاقت کو دوگونہ نقصان پہنچایا تھا۔ ایک تو ان کی طاقت کا بہترین ست

پانی پت کے میدان میں کام آگیا تھا۔ دوسرے اس شکست کے صدمے سے بالاجی راؤ کا خاتمہ ہوگیا جو اس مہم کی روح رواں تھا لیکن اس کے باوجود مرہٹے پیشوا مادھو راؤ کے عہد میں ان میں ۔۔۔ ابھرنا ان کی زندگی کا حقیقی ثبوت تھا۔ اگرچہ مادھو راؤ اتنا بڑا مدبر نہ تھا کہ وہ مشاہیر کی فہرست میں لکھا جا سکے لیکن مرہٹوں کی ترقی میں اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور اس کے علاوہ اس وقت حالات نے دکن کے ایک مشہور مدبر نانا فرنویس کو پیدا کر دیا تھا جو بڑے پیشواؤں کا ہم مقابل تھا۔ اس نے حالات کا مطالعہ کر کے مرہٹوں کی منتشر طاقتوں کو اس خوبی سے یکجا کر دیا کہ اس قوم میں ایک جان پڑ گئی اور پانی پت کی جنگ کی تلافی ہو گئی۔

صلابت جنگ کی کمزوری سے موقع پا کر مرہٹوں نے ۱۷۶۰ء میں حیدرآباد کے شمالی علاقوں پر حملہ کیا تھا اور سازش کر کے احمد نگر، بہادر گڑھ اور دیگر مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ حیدرآباد کی فوجوں نے مزاحمت کی تو اودگیر کے مقام پر حیدرآباد کو بڑی ہزیمت ہوئی۔ عہد نامہ کی رو سے ۶۲ لاکھ سالانہ آمدنی کے علاقے جن میں قلعہ دولت آباد ۔۔۔ بیجاپور، ستارہ، احمد نگر اور اورنگ آباد کے اکثر علاقے صوبہ برار اور صوبہ ۔۔۔ شامل تھے لیکن جب ۱۷۶۱ء میں جنگ پانی پت میں مرہٹوں کی طاقت ٹوٹ گئی تو ۔۔۔ جنگ اودگیر کا انتقام لینے کے لیے پونا پر پیش قدمی کی تھی، اس میں سے اورنگ آباد ۔۔۔ کے علاقے جن کی آمدنی ۲۷ لاکھ تھی مرہٹوں سے دوبارہ حاصل کیے گئے۔

ارسطو جاہ کے کارنامے

صدر المہام ہونے کے بعد سب سے پہلا کام اعظم الامراء کا جنگ میسور میں شرکت اور اس کو کامیاب بنانا تھا۔ سلطنت میسور کے خلافات کی وجہ سے جو حیدر علی کے بعد سے چلے آتے تھے سنہ [illegible] میں [illegible] تائید کے ساتھ میسور پر حملہ کیا گیا تھا۔ مرہٹوں کے ساتھ [illegible] کی تحریک سے پیدا ہوا تھا۔ اس اتحاد کے لیے بالاجی راؤ [illegible] بات پردھان حضرت غفران مآب سے ملنے کے لیے آئے اور اور [illegible] کی اور یہ طے ہوا کہ دونوں طاقتیں متحدہ طور پر میسور پر حملہ کریں۔ لیکن جب حیدر آباد کی فوجیں میسور پر بڑھیں تو مرہٹوں نے وعدہ کے مطابق مدد نہ کی بلکہ الٹا یہ ہوا کہ بیجا پور کے نزدیک [illegible] دونوں ناراض ہو گئے حیدر آباد کو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑا۔ مرہٹوں کی اس بے وفائی سے آصفجاہ ثانی کا دل اس مہم سے برداشتہ ہو گیا اور یہ حیدر آباد واپس ہو گئے۔ لیکن یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان نے امتیاز گڑھ کے قلعہ پر دھاوا بول دیا ہے۔ نظام علی خاں نے ٹیپو کے مقابلے اور محصورین قلعہ کو چھڑانے کے لیے خود حملہ کرنا چاہا اور کوچ کے لیے

تیار ہو گئے لیکن شمس الملک اور اعظم الامراء نے خود یہ مہم اپنے ہاتھ میں لی اور بندگان عالی کو بذاتِ خود جانے سے روک دیا۔ حیدرآباد کی اس فوج کے خطرے سے ٹیپو نے بہت جلد محاصرہ اٹھا لیا اور اس طریقے سے دارا جاہ کی بیوی بچے سلامتی کے ساتھ اس قلعہ سے نکال لے گئے۔ حضرت غفران مآب ناموس آصفیہ کی حفاظت سے بہت خوش ہوئے اور جب ادھونی سے یہ فوج واپس ہوئی تو جشن عید الضحیٰ میں شمس الملک اور اعظم الامراء کو زمرد کے طرّے اور موتیوں کے آویزے عطا کیے۔

میسور کی تیسری لڑائی

میسور کی ہمسایہ طاقتوں میں جنھوں نے میسور کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی حیدرآباد بھی شریک تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میسور کی تمام لڑائیاں اور اس کا خاتمہ انگریز کمپنی کے حرص و آز کا نتیجہ تھا۔ دکن کی تمام طاقتوں میں میسور ایک ایسی سلطنت تھی جس سے کمپنی کو ڈر لگتا تھا۔ ایک تو اس سلطنت کا قوی عزم دوسرے [illegible] دور دراز سلطنتوں سے تعلقات ہر روز خطرہ بڑھاتے تھے۔ اس [illegible] سے فرانسیسیوں کو تقویت ہو گئی تھی۔ اس لیے کمپنی کو اس سلطنت سے [illegible] ہی تھا۔ میسور کی تیسری لڑائی جو [illegible] میں شروع ہوئی اس کی [illegible] ہندوستانی طاقتوں سے زیادہ [illegible] حیدرآباد و مرہٹے شامل [illegible] کمپنی تھی۔ ہندوستانی سلطنتوں کی [illegible] کمپنی کی ترغیب سے [illegible] سے میسور کا خاتمہ نہیں بلکہ اس سے اپنی [illegible] بڑھانا مقصود تھا۔ [illegible] میسور میں کمپنی کی جو فوجیں جنرل میڈوز [illegible] آئی تھیں اس کی امداد [illegible] اور حیدرآباد جو پہلے سے میسور پر خار کھائے بیٹھے تھے برابر کے شریک [illegible] موقع کی نزاکت کچھ ایسی تھی کہ دوسرے [illegible] خود گورنر جنرل کارنوالس

بذات خود اس حملے میں شریک ہوگیا۔ حضرت غفران مآب آصف جاہ ثانی خود عازم جنگ ہوئے تھے لیکن یہ پانگل میں ٹھیرے رہے اور فوج کی رہنمائی شاہزادہ سکندر جاہ اور اعظم الامرا کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ اس لڑائی میں سکندر جاہ کے ساتھ اعظم الامرا کی تائید شامل حال تھی۔ یہی امرا انگریز افسروں سے ملتے تھے اور جنگ کی ڈھنگ ڈالتے تھے۔ جب ۱۲۹۱ھ میں سرنگاپٹم پر دھاوا بولا گیا تو اس یورش میں اعظم الامرا اور میر پنڈت کا رنو اس کے ساتھ برابر کے شریک تھے ان کی کوششوں سے فوج کی تنظیم نہایت اچھی ثابت ہوئی [illegible] میسور جیسی بڑی سلطنت کو نیچا دکھایا۔ جب میسور سے صلح ہوئی تو اس سے [illegible] بھی بہت مال غنیمت ملا۔ سلطنت میسور کا نصف حصہ جو حلفا رجنگ [illegible] آیا تو اس میں سے ایک تہائی حیدر آباد کو ملا۔ دریائے تنگبھدرا کے شمال [illegible] جو پہلے حیدر آباد کے ہاتھ سے نکل گیا تھا وہ حاصل ہوگیا۔ کڑپہ، سدھوٹ اور [illegible] وغیرہ جس کی آمدنی ایک کروڑ روپیہ تھی حیدر آباد کو حاصل ہوئے اور ایک کروڑ روپے نقد ملے۔

جنگ کھرلہ

جنگ کھرلہ دکن کی بہت بڑی جنگ ہے جو حیدرآباد اور مرہٹوں کے درمیان واقع ہوئی۔ اس کے اسباب بہت دیرینہ تھے۔ مرہٹے ایک عرصے سے حیدرآباد سے چوتھ اور سردیس مکھی کے مدعی تھے۔ میسوری جنگ ختم ہوتے ہی ان محاصل کا حیدرآباد سے شدید تقاضا ہونے لگا اور اس تھی کا سلجھانا بہت مشکل تھا جو بالآخر ایک بڑی جنگ کی صورت میں نمودار ہوا۔ میسور کی لڑائی ختم ہونے کے بعد کارنواس نے تمام حلفائے جنگ میں ایک عہدنامہ کفالت مرتب کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ یہ حلیف آئندہ ایک دوسرے کے دوست رہیں اور کسی پر دست درازی نہ کریں اور اس طریقے سے دکن میں امن قائم رہے۔ اس کے لیے موثق ضمانت کی ضرورت تھی اور حیدرآباد کی سلطنت اس کے لیے بخوشی تیار تھی مگر مرہٹے اس کے لیے تیار نہ ہوئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس عہدنامے کی رو سے ان کے ہاتھ بندھ جائیں گے اور ان کو پھر حیدرآباد سے کچھ نہیں ملے گا۔ اس انکار کے بعد آصفجاہ ثانی اور اعظم الامراء نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ یہ عہدنامہ کفالت کمپنی اور حیدرآباد کے درمیان میں مرتب ہوجائے جو باقی دو حلیف

ہیں۔ لیکن یہ کوشش اس وجہ سے بارور نہیں ہوئی کہ ۱۷۹۳ء میں کارنوالس ہندوستان سے چلا گیا اور اس کی جگہ سر جان شور گورنر جنرل ہو کر آیا تھا۔ جس نے "عدم مداخلت" کے اصول کو پیش نظر رکھ کر اس کو نظر انداز کر دیا۔ مرہٹوں کے مطالبات روز بروز تیز ہونے لگے اور بالآخر پونا سے گوبند راؤ کالے ایلچی بنا کر تصفیہ مطالبات کے لیے حیدر آباد بھیجا گیا جس نے دو کروڑ ساٹھ لاکھ روپیوں کا مطالبہ کیا۔ اعظم الامراء سے گفتگو ہوئی۔ اول تو خود مطالبہ ناجائز تھا دوسرے اس کے مطالبہ کے لیے جس شخص کو یہاں بھیجا گیا تھا وہ دربار دکن کی سفارت کے قابل نہیں تھا۔ اعظم الامراء نے کہا کہ اس معاملہ کے انفصال کے لیے خود نانا فرنویس کو آنا چاہیے۔ ایلچی نے کہا کہ "نانا فرنویس" ان دنوں بہت مصروف ہیں وہ کیسے آسکتے ہیں۔ اعظم الامراء نے کہا کہ وہ کیسے آسکتے ہیں؟ میں ابھی بتاتا ہوں کہ وہ حضور میں کیسے کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔" ان الفاظ سے پونا کی حکومت بھڑکی اور فوراً آمادہ جنگ ہوگئی۔

جس وقت مرہٹوں کی طاقت نانا فرنویس کی رہنمائی میں [illegible] عروج پر تھی۔ پیشوا مادھو راؤ نارائن نانا فرنویس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا مرہٹہ سلطنت کے تمام طول و عرض نانا کے زیر اختیار تھے اور تمام مرہٹہ فوجیں اس کے اشارہ پر کام کرتی تھیں۔ سنہ ۱۷۹۴ء میں مادھوجی سندھیہ کے انتقال سے

ناناکی طاقت بہت بڑھ گئی تھی اور اس کا کوئی مدمقابل نہیں رہا تھا۔ اس طرح نانا نے
حیدر آباد کے مقابلے کے لیے اپنی پوری طاقت جمع کرلی۔ نانا اس بات کو بھول گیا
تھا کہ آج سے بیس سال پہلے رگھوناتھ کو تخت سے اتارنے میں حیدر آباد نے نانا فرنویس
کی کس قدر مدد کی تھی۔ اور اگر اس وقت حیدر آباد نانا کی مدد نہیں کرتا تو شاید گھوڑے
کے مقابلے میں نانا کے قدم نہیں جمنے پاتے۔ دوسری طرف حیدر آباد کے لیے یہ وقت
تھی کہ مرہٹوں کے مقابلے میں ان کا کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ اعظم الامراء نے مرہٹوں
کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کی روک تھام کے لیے مرہٹوں کے ایک شمالی رئیس مادھوجی
سندھیہ سے اتحاد کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ اتحاد حیدر آباد کے لیے نہایت
مفید ثابت ہوتی۔ چونکہ نانا اور سندھیہ میں پہلے سے رقابت تھی۔ اس لیے اس
رکاوٹ سے اول تو نانا حیدر آباد پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ دوسرے سندھیہ
کی تائید کی وجہ سے نانا کو کبھی کامیابی نہ ہوتی لیکن سندھیہ کی موت سے یہ تمام
کام خراب ہو گیا۔ اس کے علاوہ انگریز کمپنی نے بھی اپنے پچھلے معاہدوں کو بالائے
طاق رکھ کر حیدر آباد کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ ۱۷۶۸ء اور ۱۷۹۲ء
کے معاہدہ کی رو سے انگریز کمپنی کا اخلاقی فرض تھا کہ اس آڑے وقت میں حیدر آباد
کی مدد کرتی لیکن سرجان شور کی ناعاقبت اندیشی اور بے وفائی نے نہ صرف
حیدر آباد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا بلکہ کمپنی کو بھی ایک عرصے کے لیے

خاک میں ملا دیا۔ یہ تو حیدر آباد کی شکست تھی اس وقت مرہٹوں کے سیلاب کے
مقابلے میں تنہا کھڑا ہونا پڑا تھا۔

مرہٹوں کا لشکر متعدد حصوں میں اور مرہٹہ سرداروں پر مشتمل تھا جو نانا فڑنویس
کے اثر سے اس لڑائی کے لیے جمع ہوئے تھے۔ پیشوا کے علاوہ دوسرے اہم مرہٹہ
سردار ... ہوکر آئے تھے۔ لیکن ان متحدہ فوجوں میں ... تعداد ... تھی
... ایک لاکھ ... تھی
اور اس پر ... ہزار پیدل ... فوج تھے
... بعض ... ایسے تھے جن کی کمان ... افسروں کے ہاتھ میں تھی ... حیدر آباد کی فوجیں اسی قدر با ضابطہ
اور مضبوط تھیں خود ... اس وقت ریاست حیدر آباد کے ... تھے اپنے ... اکلوتے بیٹے ... جو ... اسی ... میں واقع ...
تھی اس قدر ... اور پریشان ... تھے۔ ... میں ... فوجوں
کی رہنمائی کی مطلق ... نہیں تھی ... کہا جاتا ہے ... کی عادت
وہ بے خود حیدر آباد کی سڑکوں پر ... جاتے تھے ... حضرت
غفران مآب نے اپنے چھوٹے بیٹے ... خاں ... جاہ ... کی آغوش
میں دے دیا تھا کہ ان کو اطمینان قلب نصیب ہو اور اس آڑے وقت میں ان کے

قیمتی مشورہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس عزت افزائی سے ان کے حواس بجا ہوئے اور وہ جنگ مرہٹہ کے لیے تیار ہو سکے اور فوج کی تیاری شروع ہوئی باغ گوردھن داس میں فوج جمع کی گئی۔ حضرت غفران مآب اور اعظم الامراء نے یہاں فوج کا معائنہ کیا اور فوج کے ساتھ بیدر پہنچے۔ بیدر کے قیام میں مہاراجہ جی سندھیہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی جس سے غفران مآب اور اعظم الامراء کو بہت تشویش ہوئی کیونکہ اس کے انتقال سے حیدرآباد کے منصوبہ پر پانی پھر گیا تھا۔ بعد رتے مہادیوجی سندھیہ کے جانشین دولت راؤ کو حسب سابق شریک اتحاد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ناناپھڑنویس کی وجہ سے یہ کوشش بارور نہ ہو سکی ناناپھڑنویس نے دولت راؤ کو بہت سی امیدیں دلا کر اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ حیدرآباد صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے مجبور تھا۔ کھرڈلہ کے قریب مرہٹوں سے ۱۳ شعبان ۱۲۰۹ھ کو مقابلہ ہوا۔ لڑائی بہت گھمسان کی تھی۔ جنگ کا ابتدائی حصہ حیدرآباد کے موافق معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ بعض بے وفاؤں نے محض اعظم الامراء کی مخالفت کی وجہ سے کام خراب کیا اور وقت پر کمک نہیں پہنچائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر جاں نثار افسر و سپاہی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ جن جاں نثاروں نے اس جنگ میں انتہائی وفاداری کا ثبوت دیا تھا ان میں روشن خاں مظفر الملک اور منصور الدولہ

نام آتے ہیں جو سلطنتِ آصفیہ کے بڑے امرا میں سے تھے جن کو دکن کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ان جگر باز سپاہیوں نے مرہٹوں کو بار بار شکست دے کر آصفی پرچم کی حفاظت کی اور جب وقت پر چم مرہٹوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو ان لوگوں نے جان جوکھوں میں ڈال کر انتہائی عرق ریزی کے ساتھ اس کو حاصل کیا اور حضور میں بار بار عرض کروایا کہ اگر وقت پر کمک سے ہماری مدد کی جائے تو فتح ہماری ہے لیکن غفران آب کے تاکیدی احکام کے باوجود بے وفاؤں نے کمک پہنچانے سے چشم پوشی کی اور ان جگر بازوں کو میدان میں مرنے دیا۔ جب ان امراء کا میدان میں خاتمہ ہو گیا تو مرہٹوں نے یلغار شروع کیا اور رات کی تاریکی میں حیدرآباد کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ اب حملہ کرنا تو کجا خود اپنے کو بچانا تھا۔ اس لیے حضرت غفران آب نے میدان سے پیچھے ہٹ کر قلعہ کھرلہ میں پناہ لی لیکن یہاں بھی بے شمار مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مرہٹوں کے حملے کے علاوہ پنڈارے علحدہ لوٹ مار کر رہے تھے اور حیدرآبادی سپاہیوں کو رات کی تاریکی میں اپنا بچاؤ کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ دشمن کون ہے اور کس پر حملہ کرنا چاہیے۔ اس نازک وقت میں سوائے صلح کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ گو بینڈکش کے ذریعے صلح کی گفت و شنید شروع ہوئی۔ پنڈت پر دھان کے حسب خواہش اعظم الامراء خود گفتگو کرنے کے لیے گئے۔ اور

۹ رمضان کو عہد نامہ مرتب ہوا جو حیدرآباد کی سلطنت کے لیے بہت ذلت آمیز تھا
اس معاہدہ کی رُو سے حیدرآباد کو بہت کچھ دینا پڑا اور مرہٹوں کے تمام مطالبات تسلیم
کرنے پڑے۔ دولت آباد کا قلعہ اور دریائے تاپتی سے لے کر قلعہ پرینڈہ تک کا سارا
علاقہ سلطنت پونا کے سپرد کر دیا گیا۔ اس طرح ۳۵ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کے
علاقے حیدرآباد کے ہاتھ سے چھن گئے۔ اس کے علاوہ تین کروڑ نقد معاہدے میں طے
ہوئے ایک کروڑ تو اسی وقت نقد دینا پڑا اور بقیہ رقم کے متعلق یہ طے ہوا کہ
۳۵ لاکھ سالانہ کی قسط ادا کی جائے گی لیکن اس پر طرہ یہ تھا کہ مرہٹوں نے ادائی
رقم کے لیے اعظم الامراء کی شخصی ضمانت طلب کی جو حضرت غفران مآب کے لیے بہت
تکلیف دہ تھا۔ مرہٹے انھیں کو تمام لڑائی کا ذمہ دار سمجھتے تھے اس لیے ان کو
اپنے پاس نظر بند کر کے انتقام لینے کی کوشش کی۔ اس شرط سے اعظم الامراء کے مخالف
خوش ہوں تو ہوں لیکن حضرت غفران مآب کو اس سے دلی صدمہ ہوا۔ پہلے تو
حضرت نے جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ دو بدو مقابلے کے لیے تیار ہوگئے لیکن
"آں نمک خوار خیر خواہ خیر اندیش بہ ممانعت پیش آمدہ عرض کرد کہ علاج خاطر نصیب اعدا
باشد . . . قصد دیگر نباید فرمود" لیکن غفران مآب کو اس سے اس قدر
قلق ہوا کہ "خود بدولت و اقبال با چشم گریاں اعظم الامراء را روانہ لشکر پنڈت
پردھان فرمودند" ان شرائط صلح اور ان کی تکمیل کے بعد غفران مآب نے

تک فوج سے ۱۲ رمضان کو حیدرآباد کو کوچ ۔۔۔ اور شوال کی سات تاریخ حیدرآباد پہنچ گئے اور راجہ شام راج و اعظم الامراء کی نیابت میں مدارالمہامی کا عہدہ دیا گیا۔

اعظم الامرا پونا میں

اعظم الامرا جیسے ایک جلیل القدر وزیر کا مرہٹوں کے ہاتھ میں یا جانا حیدرآباد اور اس کے رئیس کے لیے ایک دردناک واقعہ تھا لیکن جنگ کھڑلہ کی آئندہ مصائب سے بچنے کا یہی ایک واحد ذریعہ تھا اور یہ اعظم الامرا کی انتہائی خیرخواہی اور وفاشعاری کی دلیل تھی کہ انھوں نے اپنے رئیس کو آئندہ مصیبتوں سے بچانے کے لیے اپنی قربانی سے دریغ نہیں کیا بلکہ غفران مآب کے اصرار کے باوجود مرہٹوں کے ہاتھ میں چلے گئے ورنہ اگر وہ اپنی جان اور عزت کی پروا کرتے تو شاید حیدرآباد کو اور برے دن دیکھنے پڑتے ۔ اعظم الامرا کے اس ایثار سے نہ صرف جنگ کھڑلہ کی مزید مصیبتوں سے بچاؤ ہوسکا بلکہ ان کی قابلیت کی وجہ سے جو پونا کی نظربندی میں انھوں نے ظاہر کی ۔ جنگ کھڑلہ کے نقصانات کی بہت جلد تلافی بھی ہوگئی ۔

مرہٹہ کیمپ میں بھی اس جلیل القدر وزیر نے اپنی اور اپنے رئیس کی عظمت برقرار رکھی یا یوں کہنا چاہیے کہ ان کا اور ان کے رئیس کا رعب و داب اتنا چھایا ہوا تھا کہ مرہٹے ان کی غیرمعمولی تعظیم کرنے پر مجبور تھے ۔ نانا فرنویس نے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ تین کوس آگے آکر ان کا ایسا استقبال کیا کہ گویا یہ اس کے عزیز مہمان

نہیں ملکہ اس کے رئیس تھے۔ اور جب یہ پیشوا مادھو راؤ کے خیمے میں گئے تو اس نے بھی سرو ز انو اٹھ کر ان کی تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ پونا میں ان کو ایک پرانے باغ میں ٹھہرایا گیا تھا اور ان کی نگرانی کے لیے ایک ہزار فرنگی جوان اور ایک ہزار عرب متعین کیے گئے تھے۔ لیکن حضرت غفران مآب نے ان کی تنہائی کا خیال کر کے ان کا پورا اسٹاف ان کے ہمراہ کر دیا تھا۔ ان کے تمام ملازم ان کے ساتھ تھے نیز ان کی ہم نشینی اور تفریح طبع کے لیے حافظ یار جنگ، اسمٰعیل یار جنگ، لعل محمد خاں، لعل علی خاں، رحمان نواز جنگ اور رفیق یار جنگ ہمراہ رکھے گئے تھے۔ چنانچہ یہ تمام ہمراہی تا قیام پونا ان کے ساتھ رہے اور ان کے وقار کو برقرار رکھا۔

پونا سے رہائی

اعظم الامرا پونا میں کم و بیش دو سال نظر بند رہے۔ اس نظر بندی کے دوران میں اس قلیل مدت [illegible] تبدیلی کیفیت ہوتی تھی وہ اس زمانے کے واقعات سے ظاہر ہے۔ ایک وہ [illegible] تھے جس کی تمام عمر ترقی و ترقی سلطنت میں [illegible] بیداری میں بے دست و پا ہو چکا [illegible] دوسرے وہ اپنے ولی نعمت کی خدمت سے محروم تھے۔ [illegible] کھرڈلہ کی شرمناک شکست کچھ انہیں کی وجہ سے ہوئی تھی اور ان [illegible] بہت جلد تلافی کی جا سکے تو حالت نظر بندی پر وہ مجبور رکھے لیکن ان [illegible] اپنے طالع اور اقبال کے ساتھ تھے اور ان کی ذہنی جدت نے آخر [illegible] حالات پیدا کر دیے کہ جس سے نہ صرف ان کی نظر بندی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں بلکہ جنگ کھرڈلہ کے سب نقصانات کی تلافی ہو گئی۔

جنگ کھرڈلہ ختم ہونے کے بعد پیشوا مادھو راؤ نے نانا فرنویس کی حکومت سے بیزار ہو کر اپنے کو چھت پر سے گرا دیا اور خودکشی کر لی۔ اس کی موت نہ صرف

نانا فرنویس کی عظمت بلکہ تمام مرہٹہ قوم کی بقا کے لیے بے حد مضر ثابت ہوئی کیونکہ اس وقت نانا اور دیگر عمائد سلطنت کے لیے باجی راؤ یا اس کے دوسرے بھائیوں کو تخت سپرد کرنا ضروری تھا جو نانا فرنویس کے دشمن رگھوبا کی اولاد تھے اور جس کو نانا نے پابہ زنجیر مقید کر رکھا تھا۔ اس وقت نانا کے ہوش و حواس گم ہوگئے اور مادھو راؤ کی بیوہ کو متبنیٰ بنانے کی تجویز پر غور کرنے لگا تاکہ ایک چھوٹے لڑکے کو گدی نشین کر کے اپنے اختیارات قائم رکھے ورنہ دوسرا چارہ کار اس کے پاس یہ تھا کہ باجی راؤ کے لائق بھائی امرت راؤ کو جو عمر میں بہت چھوٹا تھا تخت نشین کرے۔ لیکن جب وہ باجی راؤ کے تقرر پر مجبور ہوگیا تو آخر یہ کوشش کی کہ امرت راؤ کو تخت نشینی کے بہانہ سے بلوا کر ایک داؤ سے قید کر دے۔ ان معاشی تنبیہی حالات میں اعظم الامرا کو موقع ملا۔ اور انھوں نے اپنی سیاسی چالاکیوں سے کام لے کر ان حالات کو اپنے موافق مطلب بنانے کی کوشش کی۔ پہلے تو انھوں نے دولت راؤ سندھیہ کو جو پونا کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اپنے مخبر مشیر خاص کے ذریعے نانا فرنویس کے ارادوں سے باخبر کیا کہ وہ امرت راؤ جیسے ایک کمسن لڑکے کو گدی نشین کر کے اپنے اقتدار کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اس اطلاع سے دولت راؤ بہت خوش ہوا۔ اس اثنا میں نانا فرنویس نے امرت راؤ کو گدی نشین کر دیا تھا لیکن

عمائد سلطنت میں اس قدر اختلافات ہوئے اور دولت راؤ کا اس قدر زور پڑا کہ آخر نانا باجی راؤ کی گدی نشینی کے لیے مجبور ہو گیا۔ اس اثناء میں بہ سبیل اتفاق دولت راؤ کا اس باغ پر سے گزر ہوا جہاں اعظم الامرا ٹھیرائے گئے تھے ان کے ہمراہی ان کے گھوڑوں کی تعریف کر کے اس کو باغ میں لائے اور اس ذریعے سے دولت راؤ کی اعظم الامرا سے ملاقات ہوئی اس ملاقات میں کوئی سیاسی گفتگو تو نہ ہوئی لیکن دولت راؤ کا اعظم الامرا کے باغ میں آنا خود نانا فرنویس کی بد گمانی پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس ملاقات کے سنتے ہی فوراً اعظم الامرا کے پاس بھاگا آیا اور دولت راؤ کی وجہ ملاقات اور موضوع گفتگو دریافت کیا۔ اعظم الامرا کو موقعہ تھا انھوں نے اپنے سیاسی داؤ پیچ سے کام لیا اور نانا کے شبہ کو اور بڑھایا۔ نانا نے قسمیں دے کر گفتگو کا ماحصل دریافت کیا۔ اعظم الامرا نے کہا کہ میں اپنی اور ان کی ملاقات میں صرف ایک بات بتا سکتا ہوں اور باقی آپ قیاس کر لیجئے اور وہ بات یہ ہے کہ دولت راؤ تمہاری ناک میں ہے تم کو بے فکر نہ ہونا چاہیے نانا نے پھر ان سے اپنے بچاؤ کی تدبیر دریافت کی اور کہا کہ دولت راؤ نے باجی راؤ کو گدی نشین کر کے اپنے اختیارات اس قدر بڑھا دیے ہیں کہ اس سے مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے اعظم الامرا نے اس کو پونا سے فرار ہونے کی تجویز بتائی کہ دولت راؤ کے

پنجہ سے نجات حاصل ہوجائے ۔ نانا اس رائے سے اس قدر متاثر ہوا کہ راتوں رات پونا سے بھاگا اور کونکن میں جا کر پناہ لی لیکن اپنے ساتھ ان کو بھی لے جانے کی کوشش کی اور ایک دستہ فوج ان کے باغ پر متعین کردیا تاکہ ان کو کونکن لائے ۔ اعظم الامرا کے لیے بڑی بھاری مشکل تھی ۔ رات تو انھوں نے مختلف حیلوں سے گزار دی اور صبح تو فوراً دولت راؤ کو نانا کے فرار ہونے اور اپنے متعلق مطلع کیا کہ نانا مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے ۔ باجی راؤ اور پرسرام بھاؤ کو بھی اس کی اطلاع کردی ۔ یہ امداد کے لیے پہنچ گئے اور اعظم الامرا کی حفاظت ہوگئی اور ان کے مشورے سے نانا کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ اپنے مستقر پہنچ کر محفوظ ہوگیا ۔ اس اثنا میں باجی راؤ اور پرسرام بھاؤ میں مخالفت ہوگئی اور یہ باجی راؤ کے خلاف امرت راؤ کو گدی نشین کرنے کی کوشش کرنے لگا ۔ اعظم الامرا نے دولت راؤ کو اس کی اطلاع دی ۔ دولت راؤ نے ان سے کہا کہ تم اپنی فوج سے پرسرام بھاؤ کو گرفتار کرلو ۔ اعظم الامرا نے کہا کہ میں یہاں ایک قیدی کی حالت میں ہوں ۔ میرے ہاں فوج کہاں ہے ۔ دولت راؤ نے حیدرآباد سے فوج منگوانے کی درخواست کی اس سے اعظم الامرا بہت خوش ہوئے اور انھوں نے خود اپنے آدمی حیدرآباد روانہ کیے اور حضرت غفران مآب آصف جاہ ثانی سے ایک فوج روانہ کرنے کی استدعا کی ۔ بندگان عالی نے فوراً ساٹھ ہزار کی ایک جمعیت

میراں یار جنگ محمد سبحان خاں بہادر کی معیت میں پونا روانہ کی۔ اس فوج کے آنے سے اعظم الامراء کے ہاتھ پیر مضبوط ہو گئے۔ اس فوج نے پرسرام بھاؤ کو اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ دریاجی راؤ اس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے اس کے بعد اعظم الامراء کی قدر و منزلت کرنا اپنے اوپر فرض سمجھا۔ یہ نہ صرف نظر بندی سے رہا ہو گئے بلکہ پونا کے معاملات میں شریک ہو گئے اور پھر سیاسی معاملہ میں ان سے رائے لی جاتی تھی۔ بعض عمائد پونا اس بات کو سمجھ گئے کہ پونا کی سیاسی پیچیدگی میں اعظم الامراء کا کتنا ہاتھ تھا۔ بعض دور اندیش مدبروں کا یہ خیال ہو گیا کہ ان کو کچھ دنوں اور پونا میں رہنے دیا جائیگا تو غالباً اس سے مرہٹہ سلطنت کو برے دن دیکھنے پڑیں گے۔ اس لیے ان کو پونا سے رخصت کرنا مناسب سمجھا گیا جو اعظم الامراء کے لیے نہایت ہی مبارک تجویز تھی۔ جب یہ تصفیہ ہو گیا اور ارسطو جاہ باجی راؤ اور دولت راؤ سے مل کر پونا سے رخصت ہوئے اور دریائے سینا پر قیام کیا تو ان کے پاس کونکن سے نانا فرنویس کے آدمی پہنچے اور نانا کا پیغام استمداد پہنچایا کہ کونکن میں مقید ہوں اور میری رہائی آپ کے بغیر ممکن نہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اپنے اثر سے کام لے کر پونا کے ارکان سلطنت سے میرا تصفیہ کرائیں تاکہ حسب سابق میری وزارت بحال ہو جائے اور اس کا معاوضہ میں نقد روپیوں اور علاقہ جات سے سرکار عالی کی واگزاشت سے کر سکتا ہوں۔

اس پیغام کے وصول ہونے کے بعد اعظم الامراء پھر پونا واپس ہوئے اور باجی راؤ اور دولت راؤ سے ملکر ان ارکانِ سلطنت سے نانا فرنویس کے تعلقات صاف کرنے کی کوشش کی چونکہ اعظم الامراء میں سیاسی جوڑ توڑ کی ایسی صلاحیت تھی اور طریقۂ گفتگو و استدلال بھی بہت موثر اور نفسیاتی پہلو رکھتا تھا اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے بیچ بچاؤ سے باجی راؤ نے نانا فرنویس کا وزیر سلطنت بننا منظور کرلیا چنانچہ اس تصفیہ کے بعد اعظم الامراء نے نانا کو اپنے خطوط سے پونا بلوایا اور پہلے اس کو اپنے خیمہ میں رکھا اور اس کے بعد اپنے ہمراہ باجی راؤ کے دربار لے جاکر ان سے ملاقات کروادی اور تمام ارکانِ سلطنت سے اس کے تعلقات صاف کروا دیے۔ باجی راؤ کی پھر مسند نشینی کی رسم ادا کی گئی اور کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر خود اعظم الامراء نے حضرت غفران مآب کی طرف سے قشقہ کی رسم انجام دی۔ اس کے معاوضہ میں نانا فرنویس نے عہد نامہ جہار کے ذریعہ اعظم الامراء کو ایک کروڑ نقد دیے اور تین کروڑ کی دستاویز اور معافی چوتھ کی سند لکھ دی اور قلعہ دولت آباد اور دیگر محالات جو جنگ کھرڑلہ میں پونا کو دیے گئے تھے واگذاشت کردیے۔ یہ اعظم الامراء کی بہت بڑی کامیابی تھی جس کو تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

جب اعظم الامراء پونا کے اربابِ سیاست سے رخصت ہوکر اس قدر

کامیابی کے ساتھ حیدرآباد واپس ہوئے تو حضرت غفران مآب بہت خوش ہوئے اور ان سے ملنے کے لیے لاگوڑہ سے گولکنڈہ آئے اعظم الامراء نے قدمبوسی حاصل کی اور جب بلدۂ حیدرآباد آئے تو یہاں پونا کی تمام نذریں اور اسناد وغیرہ پیش کیے چونکہ یہ بہت بڑی کامیابی تھی اور اس سے جنگ کھرڑلہ کی بے عزتی کا داغ مٹ گیا تھا اس لیے آصف جاہ ثانی اور اہل ملک اس سے بے حد خوش ہوئے وہ اور ان کے تمام ہمراہی جو پونا گئے تھے مختلف عنایاتِ شاہانہ سے سرفراز کیے گئے چنانچہ ان کو اس وقت سلطنت کے سب سے بڑے خطابات ارسطو جاہ فرزند ارجمند وکیل مطلق، مختار دولت آصفیہ عطا ہوئے۔ اس کے علاوہ ہشت ہزاری ہشت ہزار سوار، ماہی مراتب، مورچل طاؤسی بھی عنایت کیے گئے۔ یہ ایسے اعزاز تھے کہ اس سے پہلے کسی امیر، وزیر سلطنت کو نہیں عطا ہوئے تھے۔ اور کئی روز تک ان کو خلوت مبارک میں ٹھیرایا گیا تھا۔

میسور کی چوتھی لڑائی

جنگ کھرڈا کے بعد انگریزوں کی بے وفائی سے متاثر ہو کر کہ باوجود معاہدوں کے انھوں نے حیدرآباد کی مدد نہیں کی تھی، آصف جاہ ثانی نے فرانسیسیوں کی فوجوں سے مدد لینا شروع کر دیا۔ فرانسیسی افسر موسیو ریمو کو جو حیدرآباد میں تھا حکم دیا گیا کہ وہ حیدرآباد میں باضابطہ فرانسیسی فوج مرتب کرے۔ چنانچہ اس انتظام سے حیدرآباد میں فرانسیسیوں کی ایک باضابطہ فوج مرتب ہوئی تھی لیکن ۱۷۹۷ء میں جب ارسطو جاہ پونا سے رہا ہو کر حیدرآباد واپس آئے جنوب ہند کے سیاسی حالات متغیر ہو گئے تھے۔ یورپ میں انگریزوں کے نپولین سے گھمسان کے معرکے ہو رہے تھے اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت مشرق میں بھی دست درازی کر رہی تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کا سر کچلنے کے لیے نپولین نے والیٔ میسور ٹیپو سلطان سے کام لینے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان اور نپولین کے اس معاملے میں اکثر نامہ و پیام ہوئے اور فرانسیسی فوجیں میسور کی امداد کے لیے ٹیپو سلطان کے پاس آ رہی تھیں۔ انگریزوں نے یہ

یہ صورتِ حال بہت خطرناک تھی اور اس کے مقابلے کے لیے انگلستان سے جنرل ویلزلی گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ فرانسیسیوں کے اس خطرہ کو دور کرنے کے لیے ویلزلی کی سب سے اولین تدبیر یہ تھی کہ حیدرآباد سے فرانسیسیوں کا اخراج کر کے حیدرآباد کی سلطنت کو عہد معاونت میں شریک کرلے ویلزلی نے ارسطو جاہ سے کام لیا۔ ارسطو جاہ فرانسیسیوں کے مقابلہ میں انگریزوں کی طرف مائل تھے حضرت غفران مآب کی مخالفت کے باوجود ارسطو جاہ اور ان کے مشیر میر عالم انگریزوں کا اثر بڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت اتفاق یہ ہوا کہ فرانسیسی فوج کے افسر موسیو ریمو کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال سے حیدرآباد میں فرانسیسی طاقت کو بہت نقصان پہنچا اور انگریز اور ان کے ہمدرد ارسطو جاہ اور میر عالم ریمو کی پسماندہ فوج کو ۱۷۹۸ء میں حیدرآباد سے خارج کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اسی سنہ میں حیدرآباد سے عہد معاونت کا سمجھوتہ ہوا تو حیدرآباد کی فوج انگریزوں کے برابر میسور کی لڑائی اور اس کے خاتمے میں شریک ہو گئی۔ ۱۷۹۹ء میں جب میسور کا اور اس کے والی ٹیپو سلطان کا خاتمہ ہو گیا تو اس کے مال غنیمت میں حیدرآباد کو برابر کا حصہ دیا گیا۔ چنانچہ ۱۷۹۲ء کے معاہدہ کی رو سے جو علاقے سرکار نظام کو دیے گئے تھے اس وقت ان کے متصلہ علاقے دیے گئے اور حیدرآباد کی سرحد بہت دور تک پہنچ گئی۔

اخلاق و عادات

ارسطو جاہ کا عہدِ وزارت حضرت غفران مآب آصف جاہ ثانی کے عہدِ حکومت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ آصف جاہ ثانی کے انتقال کے بعد یہ صرف دو مہینے زندہ رہے اور سکندر جاہ بہادر کی صرف دو مہینے وزارت کی۔ ۱۲۱۹ھ محرم کے مہینے میں ان کا انتقال ہوا۔ سرور نگر میں ان کا مزار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو جاہ دکن کے اس پر آشوب زمانے کے لیے پیدا ہوئے تھے جس سے اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں دکن کا سیاسی مطلع بے حد غبار آلود تھا اور یہ سیاسی کہر اس وقت صاف ہوا ہے جبکہ ۱۷۹۹ء میں میسور کا خاتمہ ہوا۔ ارسطو جاہ بھی اسی وقت تک زندہ رہے اور اپنے ولی نعمت کی آخر وقت تک خدمت کی اور ملک کو ہر مرحلے سے بچایا۔ جس خلوص اور ان تھک کوششوں سے انھوں نے حیدرآباد کی [illegible] کی ہے وہ واقعات سے ظاہر ہے۔ مختلف مزاحمتوں کو مغلوب کر کے وزارت عظمیٰ پر ترقی کرنا خود ان کی زندگی کا بڑا کرشمہ ہے۔ مالی اور انتظامی کام ان کا بہت بڑا کام ہے۔ مرہٹوں کے یہ تنہا حریف تھے۔ جنگ کھرڈلہ کی مصیبتوں اور بے عزتی کے داغ کو مٹانے میں ان کی

عظیم الشان خدمت ناقابلِ فراموش ہے۔ اپنے ولی نعمت کی مخلصانہ خدمات کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ اعظم الامرا، ارسطو جاہ کی شخصیت دکن کے تمام ارباب سیاست میں ناقابلِ مثال تھی اگرچہ دکن میں بے شمار وزرا پیدا ہوئے ہیں جو مشہور ہیں اور انھوں نے نمایاں کام بھی کیے لیکن ارسطو جاہ کو جو اعزازات اور خطابات عطا ہوئے ان کی کوئی شخصیت دعویٰ نہیں کرسکتی۔ فرزند ارجمند مختار دولت آصفیہ ان کے امتیازی خطابات تھے جن سے ان کی حقیقی شخصیت واضح ہوتی ہے تمام ملک میں ان کی اس قدر عزت کی جاتی تھی کہ نورالامرا اور رفعت الملک وغیرہ جیسے بڑے امیر پیدل ان کی پالکی کے ساتھ چلتے تھے۔

ارسطو جاہ نماز روزے اور مذہبی رسوم کے بہت پابند تھے اور بہت خیرات کرتے تھے۔ علما، و فضلا کی صحبت سے ان کو خاص دلچسپی تھی ان کی علمی قابلیت بھی اس حد تک تھی کہ وہ شعر اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اور صنائع اور بدائع کا لطف اچھی طرح اٹھاتے تھے۔ تاریخ سے بھی ان کو شغف تھا۔ ملکی انتظام اور فوجی تنظیم سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ ان کی زندگی کا بڑا حصہ فوجی تنظیم میں گزرا۔ گھوڑے کی سواری اچھی طرح جانتے تھے اور گھوڑوں کے شوق کا یہ حال تھا کہ اس زمانے میں بہترین گھوڑے ان کے پاس ہوتے تھے۔ پونا میں ان کے گھوڑوں کی بڑی تعریف کی جاتی تھی اور ان کی سواری کو دیکھ کر

پونا کے شہسوار بھی شرماتے تھے۔ بڑی عمر میں بھی جبکہ ان کا بدن بہت بھاری ہوگیا تھا وہ گھوڑے کی سواری سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حضرت غفران مآب کے ساتھ اکثر شکار میں مصروف رہتے تھے۔ فرصت کے اوقات یہ پتنگ بازی اور کبوتر بازی میں صرف کرتے تھے۔ اور ان چیزوں کا ان کو اس قدر شوق تھا کہ پتنگ بازی کے سلسلے میں انھوں نے لوگوں کو جاگیریں دی ہیں۔ مرغ بازی و شطرنج کا کھیل ان کا قابلِ دید ہوتا تھا۔ ان کا حقہ اور اس کی خوشبو حیدرآباد میں بہت مشہور تھی۔ ان اوصاف کے ساتھ گلزارِ آصفیہ کے الفاظ میں یہ کہنا صحیح ہوگا "شان و شوکت و صلابت و متانت و وجاہتِ او را احدے نمی رسد امارت بر وختم شد"۔

علمی و ادبی ذوق

تاریخ میں ایسی ہستیاں کم ملتی ہیں جن کی زندگی کے سیاسی اور ذوقی دونوں پہلو یکساں اہمیت رکھتے ہوں۔ ارسطو جاہ کی مثال میں ان کی فوجی مہمات، سیاسی سرگرمیوں اور ملکی انتظامات کی مصروفیتوں کو نظر کے سامنے رکھتے ہوئے بھی یہ بات کسی قدر تعجب خیز معلوم ہوگی کہ ان کے اطراف فارسی اور اردو کے ڈیڑھ سو سے زیادہ شعراء کا مجمع کثیر موجود تھا۔ ان کی بذل اور حوصلہ افزائی کا شہرہ سن کر شمالی ہند، اور ایران تک سے شعرا کھنچے کھنچے چلے آتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس عہد کا کوئی تذکرۂ شعرا ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے صحیح اندازہ ہو سکتا کہ کتنے باکمال سخنور اس زمانے میں دکن کے طول و عرض اور پایۂ تخت میں موجود تھے تاہم اس کا سرسری اندازہ ایک تالیف سے ہو سکتا ہے جو شاہ تجلی علی نے ۱۲۱۵ھ میں اسمعیل یار جنگ بہادر کی فرمائش پر مرتب کی تھی۔ اس کا نام "مجموعۂ فصاحت" ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ یہ کتاب اگرچہ ۱۲۱۵ھ میں مرتب ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سلسلہ ۱۲۱۸ھ تک جاری رہا۔ کیونکہ جو تاریخیں اس کے متعلق نکالی گئیں ان

سنہ ۱۲۱۶ھ ہی ظاہر ہوتا ہے۔

مثلاً (۱) ریاض قصائد (۲) قصائد اعظم (۳) دفتر وصف وزیر ...
اس کا ایک مخطوطہ دفتر دیوانی، ملکی و مال وغیرہ کے کتب خانہ میں اور ایک مکمل نسخہ
کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ یہ مجموعہ ان تمام قصائد اور قطعات
پر مشتمل ہے جو فارسی اور اردو شعرا نے ۱۱۹۴ھ سے ۱۲۱۵ھ کے درمیان مختلف
اوقات میں تقریبوں وغیرہ کے موقعوں پر ارسطو جاہ کی مدح میں لکھے تھے۔ مولف
نے ان قطعات اور قصائد کو شعرا کے تخلص کے لحاظ سے ردیف وار جمع کیا ہے۔ اس مجموعہ
میں بڑا حصہ فارسی شعرا کے کلام کا ہے۔ کچھ حصہ اردو کا بھی۔ بہت سے ایسے شاعر
جو اس عہد میں بھی کافی شہرت رکھتے تھے۔ اس مجموعہ میں ان کا فارسی کلام درج ہے
بلکہ شعرا کی فہرست ڈیڑھ سو سے زیادہ ناموں پر مشتمل ہے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں
جن کا کچھ حال اور کلام اس مجموعہ کے سوا اور کہیں نہیں ملتا اور بعض نمایاں شہرت
رکھتے ہیں۔ غرض اس فہرست میں مشہور اور غیر مشہور سب ہی طرح کے شعرا شامل ہیں
مشہور شعرا میں میر اسد علی خاں تمنا، میر عباس علی خاں ... میر ... شیدا،
شاہ تجلی، چھمی نارائن شفیق، غلام حسین خاں ... میر احسن الدین ...
میر محمد خاں بیان وغیرہ کو نہ ... جا سکتا ہے جن میں سے ... ایسے
... سمجھے جاتے تھے۔

قصائد وغیرہ کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعراء کو ارسطو جاہ کی ذات سے کس قدر لگاؤ تھا ان کی زندگی کے تقریباً تمام اہم اور قابل ذکر مواقع (مثلاً خطاب کی سرفرازی، جشن سالگرہ، جشن نوروز، عیدالفطر، عیدالضحیٰ، فتح میسور، واپسی از پونا، ولادت، ولد، وشادی بیاہ وغیرہ) پر ایک سے زیادہ شاعروں نے قطعے اور قصیدے گزرانے ہیں۔ قصیدے کی شاعری اس میں شک نہیں کہ رسمی ہوتی ہے لیکن جہاں جہاں شخصی اشارے اور ذاتی واقعات آجاتے ہیں ان سے موصوف کی ذات کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ اس شاعری کے محرکات کچھ ہی ہوں لیکن اس سے تاریخی واقعات پر روشنی ضرور پڑتی ہے اور سب سے زیادہ خود ارسطو جاہ کی ادب دوستی کا ایسا واضح پتہ چل سکتا ہے جو شاید کسی اور ذریعے سے ممکن نہ تھا۔ ارسطو جاہ کے سوانح نگار کے لیے اس مجموعے میں بہت بڑا مواد موجود ہے۔ عید، شادی، بیاہ، فتح و نصرت، ولادت، مکان یا باغ کی تعمیر حتیٰ کہ ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات جن سے عام طور پر تاریخ نگاروں کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا، ان سب کے متعلق اس مجموعے میں قصائد اور قطعے موجود ہیں۔ دفتر دیوانی میں اس مجموعہ کا صرف پہلا حصہ ہی محفوظ ہے جس میں (۶۶) شعراء کے قصیدے اور قطعات موجود ہیں۔ دوسرے حصے میں اور ۲۴ شعرا کے قصیدے وغیرہ ہیں۔ اور یہ مکمل کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے۔

بلحاظ ردیف شعراء کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

الف ۱۸ شعراء۔ ب ۳ شعراء۔ ت ۵ شعرا ث ایک شاعر

ج ۴ شعراء۔ چ ایک شاعر۔ ح ۲ شعراء۔ ذ ۲ شعراء۔ ر ۴ شعراء۔ ز ۳ شعرا

س ۹ شعراء۔ ش ۲ شعراء۔ ص ۲ شعراء۔

سب سے زیادہ قصیدے تجلی کے ہیں جن کے اردو قصائد کی تعداد ورس ہے

اس کے بعد "احسن" کے ۹ قصیدے ہیں، سب سے طویل قصیدہ تجلی ہی کا ہے،

جس کے ایک سو چالیس شعر ہیں۔

کئی شعراء کے قصیدے ایک ہی قافیہ و ردیف میں ہیں مثلاً ردیف

"دست" اس میں تجلی، ایماء، سحر کے قصیدے ہیں۔ ہر ایک کا مطلع ملاحظہ ہو۔

تجلی :۔

گر وصل گلبدن دے مجھے ایک بار دست ہر مو سے بہر شکر ہوں پیدا ہزار دست

ایماء :۔

بے زر جہاں میں کچھ نہیں آتا بکار دست بد تر ہے آستین سے بے اقتدار دست

سحر :۔

یارب دے اس کا یوں مجھے بوس و کنار دست لب لب سے برسر ہو گلے میں ہو ہار دست

وزارت کی ردیف میں ایمان اور ایماء دونوں کے قصیدے ہیں :۔

ایمان :-

پیدا ہے ترے چہرے سے یہ شانِ وزارت جو دیکھے سو یہ کہے کہ ہے شایانِ وزارت

ایہام :-

پھبتی ہے تجھے نامِ خدا شانِ وزارت ہے ذاتِ مقدس تری شایانِ وزارت

مزید طوالت کے خوف سے ہم صرف بعض قصائد سے تشبیب، گریز، مدح کے اشعار پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :-

تشبیب

ایمان :-

بحمداللہ تجھ تک صبحدم پیکِ صبا پہنچا نویدِ دولتِ جاوید کو لیتا ہوا پہنچا
کہا مجھ سے کہ اب کیونکر نہ ہو گل گل شگفتہ تر کہ دامانِ اجابت کو ترا دستِ دعا پہنچا
تو اپنے عقدۂ دل کو یکایک کھول جیوں غنچہ ترا بھی مقصدِ دیرینہ تا حاجت روا پہنچا

تجلی :-

ہیں بسکہ اک سال میں پیدا بہار دو اک گل پہ جھوم جھوم کے آئے ہزار دو
گل کو نہ کیوں کوئی سمجھ بلبل و پتنگ قرباں ہیں صبح و شام بصد اضطرار دو
سیلان ہے بسکہ جوشِ رطوبت سے باغ میں سروِ چمن کے بیچ سے ستے ہوئیا دو
موجِ نسیم آئینۂ آبشار سے صیقل سا صاف کر دیا زنگِ غبار دو

یاں تک نمو کا زور ہے نکلے زمیں کو چیر
یک بیج سے گلوں کی بھری شاخسار دو

مثل دو دوست بدل و سخا شش جہت کے بیچ
جاری ہوئے ہیں نہروں سے آب آبشار دو

دل چاہتا ہے آج رگ گل میں گوندھ گوندھ
پہنوں میں کر کے عطر سے پروردہ ہار دو

سخن :-

جلوہ حسن شقاق کے کہوں کیا میں مثل
آتش طور بھڑکتی ہے بہر دشت و جبل

رنگ ہے رنگ چمن پر کہ تماشا کے لیے
شاہد نکہت گل آتی ہے پردہ سے نکل

جوش یکرنگی ہے یاں تک چمن میں آتی ہے
آشنائی سے کرے سبزہ بیگانہ بدل

باعث صافی مرآت سکندر ہر حوض
موجب آب روئے عین بقا ہر نہل

لطف تحقیق ہے اس فصل میں تقلید سے با
سخت جانکاہ ہے بوئے گل کاغذی سنبل

بسکہ دلکش ہے ہوائے چمنستان جہاں
دخل کب غنچہ تصویر کا دل ہو یہ بغل

فیض ارشد ہے اس ایام میں عام لیاقت
خود بخود ہوتے ہیں حل عقدۂ ما لا ینحل

امر دشوار ہے شاعر بھی غزال معنی
باندھے گر چاہے بصد رشتۂ فکر اطول

گریز

تجلی :-

کب تک کریگا شکوہ زمانے کے ہات سے
کچھ بھی دیا ہے تجھ کو اگر اقتدار دست

جا اس کے پاس جس کے تجمل کے روبرو ——— اقبال و جاہ باندھے ہیں بیار دست
ہے وہ جناب اعظم الامراء کہ جس کے پاس ——— معنی چلے ہیں باندھ کے کئی کئی قطار دست

ایضاً

غیر از گرہ گرہ میں مرے کچھ نہیں رہا ——— لایا ہے بیچ میں ستم روزگار دست
میں اس کی دستگیری کا امیدوار ہوں ——— اک دست پر سے صدقے گئے ہے ہزار دست
یعنی وہ کون اعظم الامراء ہے جس کا نام ——— ہر امر میں اسی کا ہے حاجت برار دست

تمنا :۔

لیکن گرہ وہ جس سے کہ دل کی کھلے گرہ ——— دنیا میں نہیں ہے ایک گرہ کے سوا گرہ
گر چاہتا ہے تو کہ ہو واشد او سے نصیب ——— ناخن سے بستگی کے جو ہووے رہا گرہ
چل ایک بارگاہ وزارت پناہ میں ——— وہ کئی دنوں سے دل میں جو ہے مدعا گرہ

سحر :۔

اتنے میں مجھے طوطی نے بولی نہ خفا ہو ——— اس سنگ تحیر سے نہ آئینہ نما ہو
مشہور مثل ہے جسے جی چاہے سو ہو پاس ——— وہ نور نظر سامنے ہی جلوہ نما ہو
کس کا ہے تو مداح ترا کون ہے ممدوح ——— کوئی ایسا کہیں فخر سے اب جدا ہوا ہو
تب میں نے کہا طوطی سے اے حال کے شاہد ——— میں نام سنوں اس کا تو کچھ مدح و ثنا ہو
بولی کہ یہ کیا بولے ہے دیوانہ بشر ہے ——— وہ آصف مبارک تو ثنا بار ستارہ ہو

مشہور مہر و مہر کے مطلع سے ہے جگ میں
جس نیرِ اعظم کا لوا مہرِ سما ہو

احسن :-

الغرض دیکھ کے اس ٹھاٹ کو میں نے پوچھا
ارے کس واسطے ہیں اہل طرب جمع یہاں

یہ صدا سنتے ہی محفل سے ایک اہل تمیز
مجھ سے کرنے لگا تفصیل سے اس طور بیاں

وہ جو ہے ابن ارسطوئے زماں کیواں جاہ
صاحب تاج و لوا بادشہ کون و مکاں

مدح

تجلی :-

درپاشی تیری دیکھ کے ہر صبح آفتاب
رکھتا ہے اپنے چہرہ پہ ہو شرمسار دست

بذل و سخا و جود و کرم فیض و لطف و خلق
کھولے ہیں تیرے سامنے سفتا دبار دست

حلقہ میں تیرے دام کے ہو بیرحچ صید
کرتے ہے جب بلند تو بہر شکار دست

تیری سخا کا پایۂ عالی ہے یوں بلند
پہنچا نہیں سپہر کا واں زینہار دست

ہو گئے ہیں تنگدست جہاں کے کشادہ دست
پایا ہے جب کرم سے ترا اشتہار دست

احسان :-

اے کرم بخش جہاں فیض عیاں تیری
سینہ دریا ہے صدف دل ہے او ایماں گوہر

تجھ سے سائل ہو جو ایک نہ کوئی نذر نیاز
دیوے گنہ دم فی جگہ تو دل کے فتراں گوہر

لب سے ثنا ہا ترے نکلے ہے سخن بھی ریز — ہیں ہم شیر و شکر لعل بدخشاں گوہر

ایماد :-

تجھ تیغ آبدار کا اے دستیار خلق — او چھا سا گر لگے بسر کوہسار دست

گاؤ زمیں کے کاٹ کے چورنگ تا تخت — ذرہ خطا کرے نہ ترا زینہار دست

ایضاً

جس جائے زور بازو کا مذکور ہو تری — حسرت سے کاٹنے لگے اسفندیار دست

رستم ترے حضور ہے اک پنسہ پہلوان — پنجہ سے کب کرے ترے بر رو و چار دست

سرپنہ کی طرح خاک ہو ایک ہی فشار میں — کرد بوے سنگ لاخ کو تیرا فشار دست

ایضاً

والدل نسب براق حسب ہے ترا کمیت — خنگ فلک ہے اس سے فروتر ہزار دست

جب تھان سے کھلے ہے وہ گلگشت کیلئے — باندھی ہے اس کے روبرو باد بہار دست

عرصہ یہ شش جہت کا نہایت ہی تنگ ہے — مت ڈال اس کی باگ پہ اے شہسوار دست

ٹھیرے نہ وہ زمین پہ پھر آسماں سوا — گر اس کی پائے وہم کو دے اضطرار دست

ایضاً

ہاتی تری سواری کا اتنا ہے سر بلند — پہنچائے آسماں تک اس کا سوار دست

خوبی سیاہ سینہ کی اس کی میں کیا کہوں — ملتا ہے جس کو دیکھ کے ابر بہار دست

سخن :-

روئے انور کی ترے وصف رقم کرنے کو
دم بدم صبح کرے ہے زرِ خورشید کو حل

بات کوئی ہے تیری ہم نفس سحرِ حلال
اور شکر ریزی گفتار ہے ہم شانِ عمل

کیا عجب ہے ترے [illegible] ہوائے لب سے
شیریں ہو جائے اگر ایک ہی دم میں حنظل

[illegible]
[illegible] سے غرض کم نہیں یہ حسنِ عمل

شعرا کی سرپرستی

ارسطو جاہ کے متوسل شعراء میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جن کو دربار سے کوئی تعلق نہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر ہندوستان اور خصوصاً دکن میں اردو شعراء کا قدردان اور سرپرست ارسطو جاہ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا اکثر شاعر ایسے تھے جن سے ارسطو جاہ کو محبت اور شخصی دوستی تھی۔ چنانچہ شاہ تجلی سے ان کی وابستگی مشہور ہے۔ جن سے انھیں وابستگی ہو جاتی۔ اسے طرح طرح سے نوازتے تھے۔ چنانچہ شاہ تجلی نے جب حضور پرنور کی تصویر بنائی تو اس کو ملاحظہ میں پیش کرتے انھیں انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ خود بھی کافی امداد کی اور امداد دربار سے بھی انہیں بہت کچھ دلایا۔ پھر جب ان کی لڑکی کی شادی ہوئی تو ان کی سعی سے خود حضور بھی تشریف فرما ہوئے اور تحفہ کے طور پر جواہرات وغیرہ عطا کیے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دولھا کو ایک اچھے عہدے پر مامور کیا۔ غرض جہاں تک ہو سکتا وہ اہل علم و فضل اور شعراء کی قدردانی میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ شعراء ان کی ذات میں اپنا سچا ہمدرد اور بہی خواہ پاتے تھے اور احسانات کے اعتراف کا جو موقع بھی ملتا اسے ضائع نہیں ہونے

دیتے تھے۔ ان کی فیاضیوں کا شہرہ کوئی شبہ نہیں کہ بہت دور تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ احسن الدین خاں بیان جو ایک سنجیدہ شاعر تھے اسی زمانے میں شمال سے یہاں وارد ہوئے اور جس چیز نے انہیں اس طویل مسافت کے طے کرکے دکن آنے پر ابھارا تھا اس کا تذکرہ اپنے خاص انداز میں ایک قطعہ میں اس طرح کرتے ہیں :—

ہمیشہ دل میں مرے یہ خیال آتا ہے | کہ کھینچے پھرتی ہے کیوں ہر طرف مجھے تقدیر
مرے تو دل میں تلاش معاش ذرا نہیں | کہ جس کے واسطے اتنا زمانہ کرے تشہیر
مگر تلاش تھی دل میں تو شخص عادل کی | وہ خواہ امیر بڑا ہو وہ خواہ ہووے فقیر
سو ایسی دولت جاوید یاں دکن میں ملی | کہ ایک شخص کو پایا ہے بے عدیل و نظیر
امید یوں ہے کہ اس کیمیا کی خدمت میں | ہماری بھی مس ناقص کی ہوئے کچھ تغییر

بجائے مدح میں اس کی اگر ہزار جگہ | اس ایک شعر کو سو سو لکھے میں کروں تحریر
غرض نہ خلق ہو دنیا میں آدمی ایسا | کہ اب جو خاک کو دیوے اٹھا کے اکسیر

ٹیپو سلطان کی کسی شکست کے موقع پر بیان ہی نے ایک ترجیع بند گزرانا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں :—

یا الٰہی تا قیامت فتح و نصرت ہم رکاب — اس درِ دولت کے بد اندیش کا خانہ خراب
آتشِ دوزخ میں ہو بدخواہ کا سینہ کباب — خیر خواہوں کی دعا کیسی ہوئی یہ مستجاب
شاہِ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب — سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالیجناب

خاندان آصفی کا ہے موید کردگار — مرہٹے سارے یہاں کی [illegible] سے ستوا
[illegible] نا امید سے دکھن کے [illegible] — [illegible] ہیبت سے آخر کر گیا [illegible] فرار
[illegible] عالم نے دیا تھا [illegible] خطا[illegible] — [illegible] کر دکھایا راست اے عالیجناب

ایک اور شاعر [illegible] کا خطاب عطا ہوا تھا
ارسطو جاہ کی فیاضیوں کا تذکرہ ایک قصیدے میں یوں کرتے ہیں۔

ہمت عالی کا اس کی کیا کروں تجھ سے بیاں — رو برو اس کے ذرہ حاتم کو نہیں ہے اعتبار
جو دکھن میں ہوتی ہے [illegible] ایک بار — ہند میں بخشش کہاں ایسی ہوئی بتلائے یار
[illegible] کے جو [illegible] ہوا — دیکھئے [illegible] تیغ تیموری اٹھا تفصیل وار

[illegible] علی [illegible] نے ارسطو جاہ [illegible] کی تعریف حسب ذیل لکھی ہے:-

[illegible] سواری کا [illegible] سربلند — [illegible] سوار بست
[illegible] کے قصبہ [illegible] — [illegible] بار رست

اس ردیف اور قافیے کے قصیدے "مجموعۂ فصاحت" میں کئی ہیں جو مختلف شعرا کے لکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک نے اپنی بساط بھر دادِ سخنوری لینے کی کوشش کی ہے۔ عید کے موقع پر اکثر شعرا قصیدے گزرانتے اور انعام اکرام پاتے تھے۔ میر عباس علی خاں احسان کے اس طرح کے ایک قصیدے سے ذیل کے اشعار اقتباس کیے جاتے ہیں۔

حاسدوں کی عقل تا فرجام حیراں ہو گئی
عید بھی آ کر ترے در پر سے قرباں ہو گئی

کثرتِ خلق اور مبارک باد عالم سے تمام
صحنِ دولت خانۂ عالی گلستاں ہو گئی

آسمانِ فیض کا خورشید ہے تو جلوہ گر
کہکشاں بخشش کو تیرے زر کی ہمیاں ہو گئی

ہر طرف سرسبز گویا گلشن کشمیر ہے
بلکہ قدموں سے ترے دکھنی صفاہاں ہو گئی

ارسطو جاہ کی یہ بخششیں تھیں جن کے سبب سے آصفجاہی پایۂ تخت شمالی ہند اور دکھن کے بڑے بڑے شعرا کا مسکن بن گیا تھا اور ان کے آپس کے میل جول سے قدیم دکھنی شاعری اس قدر متاثر ہو رہی تھی کہ نواب نظام علیخاں بہادر کے آخری زمانے تک دکھنی شاعری کا اسلوب مکمل بدل چکا تھا۔

ارسطو جاہ کی اولاد

افسوس ہے کہ ارسطو جاہ کی زندگی جس طرح سیاسی اور علمی دنیا میں کامگار اور خوشحال رہی اتنا ہی ان کو اپنی اولاد کا غم دیکھنا نصیب ہوا چنانچہ تذکرہ گزر چکا ہے کہ ان کے اکلوتے فرزند سپہدار جنگ سیف الدولہ عرف مالی میاں عین عنفوان شباب میں ۱۳ شعبان ۱۲۰۰ھ کو انتقال کر گئے۔ جس کا بوڑھے باپ کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچا۔

سیف الدولہ مالی میاں کی بیوی فرزند بیگم دختر معین محمد صفدر خاں غیور جنگ شجیع الدولہ شجیع الملک خانخاناں اور خیر النساء بیگم عرف بہجت بیگم دختر وزیر گاہ قلی خاں سالار جنگ ، کی۔ اس طرح سے ارسطو جاہ اور نواب سالار جنگ بہادر کے خاندان سے بہت قدیم قرابت و رشتہ بھی ہے۔ اور خاندان سالار جنگی کا یہ رشتہ منیر عالم سے رشتہ ہونے سے بہت پہلے ہی کا ہے۔ کیونکہ ارسطو جاہ سے یہ رشتہ ۱۱۹۵ھ میں ہوا تھا اور منیر عالم کی صاحبزادی سے منیر الملک کی شادی ۱۲۱۳ھ میں ہوئی۔

سیف الدولہ اور فرزند بیگم کے بطن سے جہاں پرور بیگم پیدا ہوئیں

جن کی شادی ۱۲۱۴ھ میں بڑی دھوم دھام سے نواب میر اکبر علی خاں سکندر جاہ سے ہوئی جو بعد کو آصفجاہ ثالث ہوئے۔ اس شادی کی تقریب میں بیسیوں شاعروں نے قصیدے اور قطعات تاریخی لکھے جو اب تک موجود ہیں آصفجاہ ثالث کو ان کے بطن سے ۱۲۱۶ھ میں ایک فرزند میر تفضل علی خاں میر بادشاہ اور بعد کو دو دختریں پیدا ہوئیں۔ ایک غفور النسا بیگم جو نا کتخدا فوت ہوئیں اور دوسری نامدار النسا بیگم جن کی شادی ناصر الدولہ رابع نے میر ابو القاسم نصیب الدولہ بہادر سے کر دی۔ سیف الدولہ مالی میاں کی دوسری دختر امت السلام بیگم تھیں جو شہیار الملک سے بیاہی گئیں۔ ارسطو جاہ کی اولاد اور قرابتوں کا شجرہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس کے مطالعے سے بیک نظر حیدرآباد کے چند مقتدر امرا کے قرابتی تعلقات ظاہر ہوں گے۔

فرخ نژاد خاں | شیر جنگ | درگاہ قلی خاں سالار جنگ

غلام سید خاں ارسطو جاہ | غیور جنگ زوجہ خیر النسا بیگم

سپہدار جنگ سیف الدولہ مالی میاں زوجہ فرزند بیگم

امت السلام بیگم زوجہ شہیار الملک | جہاں پرور بیگم زوجہ سکندر جاہ آصفجاہ ثالث

میر تفضل علی خاں میر بادشاہ | غفور النسا بیگم | نامدار النسا بیگم زوجہ نصیب الدولہ

ادارۂ ادبیات اردو

دوسری مطبوعات

روح غالب ۔ اردو فارسی کے مشہور شاعر و ادیب مرزا اسد اللہ خاں غالب کی حیات اور کارناموں کی ایک مجمل سرگزشت اور ان کے اردو خطوط کے دلچسپ ادبی حصول کا انتخاب جس کو جناب ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور نے نہایت محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم اے (کیمبرج) صدر المہام تعلیمات و معین امیر جامعہ عثمانیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

اس کتاب میں سب سے پہلی دفعہ غالب کے خاندان و اعزہ اور ان کے سسرالی اعزہ و اقارب کے دو تفصیلی شجرے بھی شائع کئے گئے ہیں۔

غالب کے حالات زندگی جس خوبی اور اجمال کے ساتھ اس میں درج ہیں آج تک کسی سوانح غالب میں نہیں شائع ہوئے۔

غالب کی فارسی اور اردو تصنیفات کی تفصیل، ان کی نوعیت، زمانہ تصنیف ان کی اشاعت کی تاریخیں غرض ہر ضروری معلومات اس میں شامل ہیں۔ تاریخ ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔

اس میں غالب کے خطوط کے ادبی حصوں کا نہایت نفیس انتخاب کیا گیا ہے

تاکہ جو لوگ علمی بحثوں میں الجھنا نہیں چاہتے اور غالب کے شگفتہ اور پاکیزہ اسا
سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں وہ بے تکلف ان ادب پاروں سے محظوظ ہ
صفحات (۱۷۶) تعداد تصویر (۳) کتابت و طباعت نفیس کاغذ اعلیٰ قسم

شمس العلماء محمد حسین آزاد - از محترمہ جہاں بانو بیگم صاحبہ ایم۔ اے اس کتاب میں آزاد مرحوم
حالات زندگی اور تصنیفات پر مبسوط مکمل معلومات ایک جگہ کر دی گئی ہیں۔ یہ نہایت اعلیٰ پایہ
تنقیدی کتاب ہے جس پر مصنفہ کو جامعہ عثمانیہ سے ایم۔ اے ڈگری حاصل ہوئی ہے صفحا

سر سید احمد خان - از مولوی ظہیر الدین صاحب ایم۔ اے۔ ایچ سی ایس بچوں اور عوام کے
دلچسپ با تصویر کتاب خاص طور پر لکھی گئی ہے قیمت صرف ۲ ر

اقبال نمبر اس نمبر میں شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کی حیات اور کلام کے مختلف پہلوؤں
کیا گیا ہے اقبال کی شاعری اور فلسفہ کو مختلف اہل قلم نے نہایت تحقیق اور محنت سے واضح
ہندوستان کے بڑے بڑے شاعروں کی نظمیں اقبال سے متعلق شائع کی گئی ہیں مو
شہرت رکھنے والے حضرات کے پیامات بھی شامل ہیں۔ حیدرآباد میں یوم اقبال کے مضا
اقتباس بھی دیا گیا ہے۔ وفات کے بعد سارے ہندوستان میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل بھ
ہے۔ غرض یہ نمبر تمام ہندوستان میں مقبول ہوا اور اب تک اس کی مانگ ہو رہی ہے۔
کی بزم اقبال نے اس نمبر کو اس قدر پسند کیا کہ اڈیٹر سب رس کو بزم کے ممبر ہونے کی عزت د
اقبال کے بعض اشعار کو مصور بھی کیا گیا ہے۔ خان بہادر عبدالرحمٰن چغتائی نے ا
کی ایک رباعی کو اپنے مخصوص انداز حسن کاری میں مصور کیا ہے خاص کر اقبال کی ایک نایاب

شائع کی گئی ہے جس میں اقبال اپنے اصلی رنگ میں جلوہ گر ہیں۔ اس تصویر کی سارے ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ اکثر رسائل نے سب رس سے مستعار لے کر اس کو شائع کیا ہے۔ کتابت طباعت وغیرہ نہایت نفیس اور علامہ اقبال کے شایانِ شان۔ (تعداد صفحات ۱۶۰) تعداد تصاویر ۱۶ قیمت ۸؍

ورڈز ورتھ اور اس کی شاعری - اس کتاب میں مولوی میر حسن صاحب ایم اے نے ورڈز ورتھ کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ اس کے تجرباتِ حیات نے جس جس طرح سے اس کے شعری رجحانات کی تعمیر و تشکیل کی ہے ان کو واضح کیا ہے۔ بہت سی نظموں کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے ورڈز ورتھ کا پایہ انگریزی شاعری میں بہ حیثیت فطرت نگار بہت بلند ہے اور جدید اردو شاعری اس سے خاص کر متاثر ہوئی ہے۔ اردو دانوں کے لئے اس کے حالات اور کلام کا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں۔

۱۔ سوانح نگاری کا یہ طرز عام روش سے علیحدہ ہے۔ چونکہ فطری اصول کے مطابق ہے اس لئے نہایت پسندیدہ ہے۔ ہمارے جدید مطبوعات میں یہ ایک مفید اور دلچسپ اضافہ ہے۔ رسالۂ ہندوستانی الہ آباد جولائی ۱۹۳۳ء

۲۔ مولف نے یہ ایک اچھا مرتب سوانح نگاری کا نمونہ پیش کیا ہے اگر اسی رنگ میں دوسرے با کمال شعرائے یورپ کو روشناس کرنے کی کوشش جاری ہو جائیں جیسا کہ ان کا مقصد ہے تو اردو کی ایک مفید خدمت انجام دیں گے۔

مولنا سلیمان ندوی رسالۂ معارف اعظم گڈھ

۳۔ لائق مصنف نے نہایت محنت اور دماغ سوزی سے کام لے کر یہ کتاب مرتب کی ہے اردو دان طبقہ خصوصاً شعرا بعض اردو کی قدر کرنی چاہئے۔ رسالۂ زمانہ کانپور

۴۔ وہ لوگ جو شاعری کا ذوق رکھتے ہیں اور مشرق و مغرب دونوں جگہ کی شاعری کا تقابلی نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

ان کے لئے یہ کتاب خصوصیت کے ساتھ قابل قدر ہے" مولٰنا نیاز فتحپوری نگار" لکھ

۵ - "میر حسن صاحب نے یہ بہت قابل قدر کام کیا ہے۔ ان کی محنت قابل شکر اور لائق قدر ہے اور اُر

کو یہ کتاب ضروری پڑھنی چاہئے" مولٰنا عبدالحق رسالۂ اردو نمبر

۶ - "یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا مطالعہ میں نے بڑی دلچسپی سے کیا اور میں ذاتی طور پر واقف ہوں کہ

تیاری میں مسٹر میر حسن نے بڑی محنت اور جانکاہی سے کام لیا - **پروفیسر ای ای سپیٹ**

تعداد صفحات (۱۴۸) مع تصویر شاعر قیمت مجلد (عہ ۴ر)

ٹیگور اور ان کی شاعری - ٹیگور کی شاعرانہ عظمت سے کون واقف نہیں ان کی شاعری

بین قومی مقبولیت حاصل ہے۔ یہ شاعر مشرق پر سب سے پہلی مستقل کتاب ہے جس میں مولوی مخدوم محی الدین

ام۔اے نے ٹیگور کی شخصیت ان کی ادبی زندگی کے گوناگون پہلوؤں اور ان کے فلسفۂ زندگی پر روشنی

ڈالی ہے ٹیگور کا پیام گاندھی اور شانتی نکیتن پر علحدہ ابواب میں تفصیلی بحث کی ہے اس کتاب کے

خود شاعر نے ایک اپنی ایک نفیس تصویر بھیجی تھی جو اس میں شائع کی گئی ہے۔ "زیر نظر کتاب میں ٹیگور کی شخصیت

ان کی ادبی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں اور ان کے فلسفۂ زندگی پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے" مولوی عبدالحق صاحب رسالۂ ا

تعداد صفحات (۲۸۱) مع تصویر شاعر قیمت عہ ۴

مدراس میں اردو (مجلد) اس کتاب میں مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی منشی فاضل نے مدراس

کے نشو و نما اور اس کے ارتقا کی تاریخ پیش کی ہے کتاب کو نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ہر دور کے شعراء

اور نثر نگاروں کے سوانح حیات اور نمونہ کلام کو پیش کیا ہے۔ تاریخ ادب اردو سے دلچسپی رکھنے

والوں کے لیے اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

تعداد صفحات (۲۰۰) قیمت مجلد عہ